



تصویر۔ 6 : بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر

کے وہ سخت مخالف تھے۔ اس لئے انہوں نے دلتوں کو تعلیم یافتہ بننے کا شوق دلایا اور ان کے لئے آئینی اور سیاسی اختیارات کا مطالبہ کیا۔ ان سے گندگی اٹھوانے کی غیر انسانی روایت کی سخت مذمت کی۔

امبیڈکر کے ذریعہ 1920ء کے عشرے میں ایک خاص تحریک کا آغاز ہوا۔ اس تحریک کو منظم شکل دینے کے لئے 1924ء میں ہسکرت ہسکاری سبھا کی تشکیل ہوئی۔ 1927ء میں مہادلت ستیاگرہ کا آغاز کیا گیا تاکہ اچھوتوں کے تئیں اپنائی گئی تفریق کی پالیسی ختم کی جاسکے۔

1930-31ء کے گول میز کانفرنس سے پہلے امبیڈکر دلتوں کے

خاص قائد کی شکل میں ابھر چکے تھے۔ انہوں نے دلتوں کے لئے ایک الگ نظریہ پیش کیا۔ جس کی بنیاد پر اقلیتوں کی طرح ان کے لئے الگ انتخاب کا مطالبہ کیا گیا لیکن گاندھی جی نے اس کی مخالفت کی اور ان کے ستیاگرہ کی وجہ سے پونا سمجھوتہ نافذ ہوا۔ 1942ء میں امبیڈکر کے ذریعہ قبائلی ذاتی تنظیم قائم کی گئی۔

امبیڈکر نے ہندو مذہب میں تفریق کی مخالفت کی اور بودھ مذہب کی طرف متوجہ ہوئے۔ 1950ء میں امبیڈکر نے بودھ مذہب اختیار کر لیا اور وقت گزرنے کے ساتھ ان کے کئی حمایتیوں نے بھی ذریعہ مذہب تبدیل کر لیا۔ امبیڈکر گاندھی وادی دولت نظریہ سے مطمئن نہیں تھے اور اسے کمزور مانتے رہے چونکہ وہ دلتوں کی ترقی کے ذریعہ کو ایک الگ شکل میں دیکھتے تھے۔

آج ہندوستان میں جس فلسفہ کو مقبولیت حاصل ہوئی ہے وہ مساوات بھائی چارہ اور آزادی پر مبنی ہے۔ انسانی احترام کی بنیادوں پر قائم اس فلسفہ کا ایک مقصد ہے انسانوں کی بھلائی۔ سماجی تفریق سے ابھری سماجی پسماندگی اور استحصال کو روکنے کی تدبیریں مختلف فلسفیوں اور مصلحین کے ذریعہ شروع ہوئیں۔ ان سمجھوں نے ذات پات کے نظام کو دور کرنے کے پائے الگ الگ طریقوں سے اپنائے لیکن یہ تحریک محدود رہی چونکہ اس کی سماجی بنیاد اعلیٰ غیر برہمن ذاتوں تک ہی محدود رہی تھی۔

یہ بھی جانئے !

1924ء میں امید کرنے سے سکتا تھا، کو قائم کر کے دلوں کی آزادی کی تحریک کا بگل بجایا تھا۔ امید کر کے ذریعہ ذات پات کے خاتمے کا اپائے کیا گیا تھا۔ انہوں نے منورستی کو رد کیا۔ چونکہ وہ تفریقی فلسفہ پر مبنی تھی اور جس کے ذریعہ سماج کو طبقاتی نظام میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔

آج ہمارے سماج میں جس تعمیری تبدیلی کی ضرورت ہے اس کا پس منظر ان تحریکوں نے تیار کیا تاکہ ذات مخالف جدوجہد کو آگے بڑھایا جاسکے۔ جس سے ایک مضبوط استحصال سے خالی انسانی سماج کا قیام ممکن ہو۔

مشق

آئیے پھر سے یاد کریں :

1. صحیح متبادل کو چنئے :

(i) پھولے کے ذریعہ کون سی تنظیم قائم کی گئی؟

(الف) برہم سماج (ب) آریہ سماج

(ج) ستیہ شودھک سماج (د) پرارتھنا سماج

(ii) عدم مساوات مخالف تحریک کو کیرل میں کس کے ذریعہ شروع ہوئی؟

(الف) ویر شیلنم (ب) نارائن گرو

(ج) پیریار (د) جیوتی راؤ پھولے

(iii) پیریار کے ذریعہ کون سی تحریک شروع کی گئی؟

(الف) عزت نفس تحریک (ب) ذاتی اصلاحی تحریک

(ج) چھوٹا چھوٹا مخالف تحریک (د) مذہبی مساوات تحریک

(iv) ہریجن سیواسنگھ مہاتما گاندھی کے ذریعہ کس سال تشکیل کی گئی۔

(الف) 1932ء (ب) 1933ء

(ج) 1934ء (د) 1935ء

(v) بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر کے ذریعہ کس سال یہسکرت ہتھکاری سبھا قائم کی گئی؟

(الف) 1921ء (ب) 1924ء

(ج) 1934ء (د) 1945ء

آئیے غور کریں :

(i) جیوتی راؤ پھولے کے خاص خیالات کیا تھے؟

(ii) ویریلنگم کی خدمات کا تذکرہ کریں۔

(iii) شری نارائن گرو کے خیالات کیا تھے؟

(iv) مہاتما گاندھی کے ذریعہ چھو اچھوت کے خاتمہ کے لئے کیا پائے کئے گئے؟

(v) بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر نے ذاتی تفریق کو دور کرنے کے لئے کس طرح کی کوششیں کیں؟

آئیے کر کے دیکھیں :

(i) آپ اپنے آس پاس کے سماج میں کس طرح کی نابرابری کو دیکھتے ہیں؟ اس پر درجہ میں استاد کی موجودگی میں ساتھیوں

سے مذاکرہ کریں۔

(ii) سماج میں ذات پات کی تفریق کو مٹانے یا کام کرنے کے لئے آپ کیا کوشش کر سکتے ہیں اس پر اپنے خیالات درجہ

میں ساتھیوں اور استاد کو بتائیں۔

خواتین کی حالت اور اصلاح

آج سے دو سو سال قبل خواتین کی حالت بہت مختلف تھی۔ آج زیادہ تر لڑکیاں اسکول جاتی ہیں اور کئی اسکولوں میں لڑکوں کے ساتھ پڑھتی ہیں۔ بڑی ہونے پر وہ کالج یا یونیورسٹی جاتی ہیں۔ نوکری کرتی ہیں۔ ان کی شادی کی عمر قانون کے ذریعہ طے ہے۔ یہ شادی کسی بھی ذات یا فرقہ میں ہو سکتی ہے۔ بیوائیں دوبارہ شادی کر سکتی ہیں۔ مردوں کی طرح وٹ ڈال سکتی ہیں اور انتخاب لڑ سکتی ہیں۔ اس طرح ان کی حالت میں کافی اصلاح ہوئی ہے۔

لیکن دو سو سال قبل کے سماج کو اگر آپ دیکھیں تو اس وقت لڑکیوں کا اسکول اور کالج میں پڑھنا غیر معمولی بلکہ ناممکن بات تھی۔ کم سنی میں ان کی شادی کر دی جاتی تھی۔ پردے کے رواج کی وجہ سے وہ سماجی اور سیاسی زندگی میں حصہ نہیں لے سکتی تھیں۔ بیواؤں کو دوبارہ شادی کی اجازت نہیں تھی۔ ہندو سماج میں بیواؤں کو سستی ہونا پڑتا تھا اور اپنے مرے ہوئے شوہر کے ساتھ انہیں چتا پر جلا دیا جاتا تھا۔ سماج میں مردوں کو ساری سہولیات حاصل تھیں اور عورتیں ان سب سے محروم تھیں۔ مذہب اور ثقافت کے نام پر ان کے ساتھ تفریق کی جاتی تھی۔ ان پر کئی طرح کی پابندیاں جیسے کم عمر میں شادی، پردے کی پابندی، تعلیم کی کمی ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کا رواج وغیرہ۔ سستی کے رواج کو قانونی حیثیت حاصل تھی جس کی وجہ سے بیوائیں اپنے شوہر کے چتا پر جل کر مر جاتی تھیں۔ ایسا نہ کرنے پر وہ تنہائی اور تکلیف دہ زندگی جینے کے لئے سماج کے ذریعہ مجبور کی جاتی تھیں۔

ہندوستانی سماج میں ایک طویل عرصہ سے عورت مرد کے بیچ ایک نابرابری کی حالت بنی رہی۔ اس پر انگریزوں کے ذریعہ سوالیہ نشان لگایا گیا۔ چونکہ انگریز اپنے سامراج کا جواز قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ہندوستانی سماج کی کمزوریوں کو اجاگر کر کے ان کی دقیانوسی روایات کی تنقید کی اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ ہندوستانی غیر مہذب ہیں اور ان کی حالت صرف انگریز حکمران طبقہ ہی سدھار سکتا ہے۔

کئی دیگر ممالک کے مقابلے میں ہندوستان میں عورتوں کی حالت دگرگوں تھی۔ عورتوں میں بھی تعلیم اور بیداری کی کمی رہی اور وہ اس تفریق کو صحیح مان کر قبول کرتی رہیں۔ اپنی بد حالی اور حقارت کی حالت کو انہوں نے اپنا مقدر سمجھ لیا اور ہر طرح کی پابندیوں کو قبول کر لیا۔

عورتوں کی حالت میں اصلاح لانے کی تدبیریں تب شروع ہوئیں جب انگریزوں نے روایتی رسموں پر کڑی تنقید کی۔ جس میں جیمس مل جیسے دانشور پیش پیش رہے۔ چونکہ اس خیال سے انکار ممکن نہیں تھا۔ اس لئے کچھ تعلیم یافتہ ہندوستانیوں نے اس چیلنج کو قبول کیا اور اصلاح کی کوشش شروع ہوئی۔ سماجی اصلاح کی تدبیروں میں عورتوں کی مرکزی حیثیت تھی وہ زندگی کی بہت ساری سہولتوں سے محروم تھیں۔ تمام تر اصلاحی تدابیر کے باوجود عورتوں کی کمتری کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اس غیر انسانی روایت کو کسی طرح ختم کرنے کا ایک مضبوط اور موثر قدم راجا رام موہن رائے نے اٹھایا۔

اس طرح عورتوں کی حالت میں اصلاح شروع ہوئی لیکن اس کی ایک حد متعین رہی اور انہیں ملنے والے اختیارات کی حد بھی مرد مصلحین ہی نے طے کی۔ ان مجبوریوں اور اس طرح کے محدود مقاصد کے باوجود عورتوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ کچھ غلط رسموں کی سخت مخالفت ہوئی اور انہوں نے ان تنگ خیالات کو دور کرنے کے لئے تعلیم پر زور دیا۔ دوسری طرف قوم پرست لیڈران کو بھی احساس ہوا کہ سماجی اصلاح سیاسی آزادی، معاشی ترقی اور قومی بیداری کو بڑھانے میں خواتین کی ترقی بے حد ضروری تھی۔ اس لئے ان کی ترقی میں درپیش رکاوٹوں کو دور کرنا لازمی تھا۔ اصلاح کے اس سلسلے میں دقیانوسی خیال سے پیدا شدہ تنگ ذہنیت کو دور کرنے کو ترجیح دی گئی۔ ایک نئی بیداری لانے کی کوشش کی گئی جو سماجی غلطیوں کو دور کر سکے۔ دقیانوسی اور تنگ خیالات صرف تعلیم کے ذریعہ ہی ختم کئے جاسکتے تھے۔ اس لئے خواتین کی تعلیم پر زور دیا گیا۔ تاکہ ایک روادار اور ترقی پذیر نظریہ سماج میں قائم ہو سکے۔ اسی تناظر میں بچوں کا قتل، سنی کا رواج جیسے غیر انسانی طریقوں کے ترک کرنے کی بات کہی گئی اور کثرت ازدواج، پردے کا رواج اور بیواؤں کی دوبارہ شادی پر پابندی لگانے کے دقیانوسی خیالات کو بد لئے کی کوشش شروع ہوئی۔

ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ سماجی اصلاح کے سلسلہ میں یہ کوشش خواتین کی حالت میں اصلاح لانے کے لئے پابند عہد تھی۔ لیکن وہ عورتوں کی ترقی کے سوال پر رک جاتے تھے۔ عورتوں کو سماج میں برابری کا اختیار ملے ایسے خیالات کی کمی ہم اس پورے پس منظر میں پاتے ہیں۔ اس لئے ان بدلتے ہوئے حالات میں بھی عورتیں بنیادی اختیارات سے محروم ہیں۔ خصوصاً موروثی جائیداد پر اختیار کی بات طویل عرصے تک اٹھائی ہی نہیں گئی۔

تعلیم کے حلقے میں عورتوں کو شامل کرنے کی جوتدبیریں شروع کی گئیں لیکن ان کا اثر اعلیٰ طبقہ کی عورتوں تک ہی محدود رہا۔ آج بھی لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کو کم پڑھایا جاتا ہے۔ اس لئے جب انیسویں صدی میں سماجی مصلحین کے ذریعہ خواتین کے لئے تعلیم کی کوششیں ہوئیں اور ان کا اثر محدود رہا پھر بھی اس وقت کے حالات میں یہ سرانہ لائق کوشش تھی۔ اعلیٰ طبقہ کی عورتیں تعلیم یافتہ ہوتے ہوئے بھی روزگار سے براہ راست نہیں جوڑی گئیں جبکہ ادنیٰ طبقہ کی عورتوں کو تعلیم سے محروم رکھ کر انہیں بھی سماج میں اہم اور مفید معاشی حصہ داری سے محروم رکھا گیا۔ خواتین کو تعلیم یافتہ تو بنایا جائے لیکن ان کی تعلیم کو حالیہ برسوں تک روزگار سے جوڑا نہیں گیا تھا۔ اب یہ کمی سماج سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ اعلیٰ طبقہ کی خواتین نے مغرب کے اعلیٰ طبقہ کی صفات کو اپنالیا تھا۔ یہ ایک ثقافتی عمل تھا جس میں مغربی نسوانیت کی صفت کو ہندوستان میں بھی اپنایا لیا گیا۔ ایک تعلیم یافتہ رفیق حیات کی شکل میں وہ اپنے شوہروں کی طرح دانشور تسلیم کی جاتی تھیں۔ لیکن وہ روزگار سے نہیں جوڑی گئیں۔ یہی خواتین کی حالت کو ترقی یافتہ بنانے میں ایک بڑی رکاوٹ تھی۔

سماجی مصلح جیوتی راؤ پھولے کی بیوی ساوتری بائی پھولے نے خواتین مساوات کا سوال اٹھایا اور ان کے ذریعہ بہوجن سماج قائم کیا گیا۔ ان میاں بیوی کے ذریعہ ادنیٰ طبقہ کی خواتین کے اختیار کی بات اٹھائی گئی یہ دونوں نکلتے کافی اہم تھے اور آج کے سماج میں بھی ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ پورے سماجی اصلاح کی تحریک کے سلسلہ میں صرف اعلیٰ طبقہ کی خواتین کے مسائل پر زیادہ توجہ دی گئی۔

ستی کے رواج پر اختلاف :

انیسویں صدی کے ہندوستانی ہندو سماج میں عورت کو اپنی زندگی میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ جس میں

سب سے دور ناک ستی کا رواج تھا۔ جس میں بیوی کو اس کے شوہر کے ساتھ جلا دیا جاتا تھا۔ اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ستی کے رواج کی مخالفت شروع ہوئی۔ بد قسمتی سے کچھ لوگ اس غیر انسانی روایت کو مذہبی حکم کا درجہ دیتے تھے۔ جبکہ حقیقت میں یہ ان بیوہ عورتوں کو جان و مال اور وراثت کے حقوق سے محروم کرنے کا ایک حربہ تھا جس کے ذریعہ اعلیٰ خاندان اور برہمنوں کی قائم کردہ روایات نے مشرقی ثقافت کو ایک بھیانک شکل میں تبدیل کر دیا تھا۔

ایسے ظالمانہ رواج کو ختم کرنے کی پہل اس عہد کے مغربی فلسفیوں اور مفکروں کے ذریعہ کی گئی جس نے ہندوستانی دانشور طبقہ کو جھنجھوڑ دیا سماج میں ایسی ذہنیت بنی ہوئی تھی کہ ایک ستی ہونے والی خاتون کو دیوی مان لیا جاتا تھا اور اس طرح اس رواج کو قائم رکھا گیا تھا۔ ہمیں یہ بھی پیش نظر رکھنا ہے کہ چونکہ اس عہد میں کثرت ازدواج اور بچوں کی شادی کا رواج تھا۔ اس لئے ستی ہونے والی کم عمری وہ خواتین ہوتی تھیں جن کی شادی بوڑھے اور ادھیڑ عمر کے مردوں سے ہوتی تھی۔ اس طرح کے رواجوں کی مخالفت میں آخر کار کئی الجھے ہوئے سوالات اٹھائے گئے۔ اس تنازعہ کے کچھ نکتے اس طرح تھے۔



تصویر۔ 1 : ستی رواج

ستی مخالف : خواتین کو اپنی فطری صلاحیت کے اظہار کا صحیح موقع ہی کب دیا گیا؟ یہ کیسے مانا جاسکتا ہے کہ ان میں سمجھ نہیں تھی؟ اگر علم اور تعلیم کے بعد بھی کسی شخص کی سمجھ محدود رہے یا پڑھائی گئی باتوں سے فائدہ نہ اٹھا سکے تو اسے نالائق (مجبور) مان سکتے ہیں لیکن

اگر خواتین کو پڑھنے کا موقع ہی نہیں دیا جائے تو انہیں کمتر کیسے کہا جاسکتا ہے۔

ستی حمایتی : عورتیں قدرتی طور پر کم سمجھدار، ارادوں کی کمزور ہوتی ہیں اور اپنے شوہر کی موت کے بعد اس کے ساتھ جانے کی تمنا کرتی ہیں لیکن وہ دہکتی ہوئی آگ سے بھاگ نہ نکلیں اس لئے پہلے انہیں چتا کی لکڑیوں میں مضبوطی سے باندھ دیا جاتا ہے۔

انہیں بھی جانیں !

اپنی کتاب 'استری پُرش تلنا' میں تارا بابائی شندے۔ جب عورت کا شوہر مر جاتا ہے... تو اس کا کیا حرج ہوتا ہے؟ نائی آتا ہے اور اس کے لہراتے بال صاف کر دیتا ہے... اسے شادی بیاہ اور مبارک موقعوں سے الگ رکھا جاتا ہے اور بھلا ان پابندیوں کی وجہ کیا ہے؟ کیونکہ اس کا شوہر مر چکا ہے؟ وہ ابھاگی ہے بد قسمتی اس کی پیشانی پر لکھی ہوئی ہے۔ اس کا چہرہ دیکھا نہیں جاتا۔ یہ منحوس ہوتی ہے۔ یہ مردوں اور خواتین کے بیچ موجود سماجی تفریق پر تنقید کی گئی تھی۔

چونکہ کٹر پنتھی (بنیاد پرست) طبقے ایسی تحریکوں کی مخالفت کر رہے تھے۔ اس لئے راجا رام موہن رائے نے قانون کا سہارا لیا۔ قانون کے ذریعہ اس قبیح رسم کو ختم کرنے کی پہلی راجا رام موہن رائے کی 1829ء میں قانون کے ذریعہ سستی کے رواج کا خاتمہ ہوا۔ سماجی اصلاح کے حلقے میں یہ راجا رام موہن رائے کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔ انہوں نے برہم سبھا اور برہم سماج جیسی تنظیمیں قائم کیں۔ برہم سماج تنظیم کے ذریعہ خواتین کی حالت میں اصلاح کا عمل اپنایا گیا جیسے سستی کے رواج پر روک، خواتین کی تعلیم پر زور، نکاح بیوگان کی حوصلہ افزائی، غیر برادری میں شادی کی حمایت اور بچپن میں شادی کی مخالفت وغیرہ۔ یہ تنظیمیں مغربی نظریات کو بھی رد کر رہی تھیں اور ہندوستان کی داخلی ثقافت میں اصلاح کے لئے بھی کوشاں تھیں۔

سماجی اصلاح لانے کے لئے چار مختلف طریقوں کا استعمال کیا گیا۔

1. اندرونی اصلاح: مختلف سماجی مسائل پر بحث و مباحثہ کا انعقاد
2. قانون کے ذریعہ اصلاحی تبدیلی کے لئے قانونی مداخلت
3. علامتی تبدیلی کے ذریعہ اصلاح۔ سماجی مسائل کے تئیں مصالحت نہیں کرنے والی انقلابی فطرت کا مظاہرہ
4. سماجی کاموں کے ذریعہ اصلاح۔ جن میں ایشور چندو دیا ساگر جیسی شخصیت کا نام نمایاں ہے۔

راجا رام موہن رائے (1772ء-1833ء) :



راجا رام موہن رائے جدید دور کے رہنما تھے۔ انہوں نے کوکاتہ میں برہموسہا کے نام سے ایک اصلاحی تنظیم قائم ہوئی جو بعد میں برہموسماج کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ تنظیم خواتین کے لئے برابری کے اختیار کی حمایت تھی۔ اس لئے ان کی حالت میں اصلاح لانے کے لئے راجا رام موہن رائے نے مغربی تعلیم کی تبلیغ کی حوصلہ افزائی کی۔ کئی زبانوں کے دانشور، سنسکرت، فارسی اور یورپی زبانوں کا علم ہونے کی وجہ سے مختلف مذہبی کتابوں کے تقابلی مطالعہ کے بعد انہوں نے یہ معلوم

تصویر۔ 2 : راجا رام موہن رائے

کیا کہ تمام مذاہب میں اچھی باتیں ہیں اس لئے راجا رام موہن رائے تمام مذاہب کے قائل تھے وہ ایک انتہائی روادار نظریہ رکھتے تھے۔

راجا رام موہن رائے نے اس مشن کے لئے جو حکمت عملی اپنائی اسے بعد کے مصلحین نے بھی اپنایا جب بھی وہ کسی نقصاندہ رسم کو چیلنج دینا چاہتے تھے تو اکثر قدیم مذہبی کتابوں کی مثالیں دیتے اور یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ویسی روایات کو مذہبی سند حاصل نہیں ہے۔

اگرچہ برہم سماجی لوگوں کی تعداد کبھی بھی بہت زیادہ نہیں رہی۔ لیکن وہ عقلیت اور اصلاح کے نئے جذبوں کے رہنما تھے۔ انہوں نے ذات پات کے سخت اصولوں پر حملہ کیا۔ سماج میں خواتین کی حالت سدھارنے کے لئے کوشش کی۔ تعلیم کی توسیع کے لئے کام کیا اور جائداد کی وراثت کو قائم کرنے کی کوشش کی۔

راجا رام موہن رائے کے اس مشن کو ان کے دیگر حمایتیوں میں کیشو چندر سین نے اس کام کو آگے بڑھایا اس طرح کی تحریکوں نے ملک کے دیگر حصوں میں اسی طرح کے اصلاحی عمل کو متاثر کیا۔

پراثر تھنا سماج کی تشکیل مغربی علاقے میں ہوئی۔ جہاں ایم جی رانا ڈے نے سماجی اصلاح کا بیڑا اٹھایا وہ بنیادی طور پر خواتین کی حالت میں اصلاح لانے کی تدبیروں میں مصروف تھے۔ 1882 میں پنڈت رامبائی سرسوتی مغربی ہند پٹنہ اور رانا ڈے کی مدد سے آریہ خاتون سماج کی تشکیل ہوئی جس کا بنیادی مقصد خواتین میں بیداری پیدا کرنا تھا۔ بھارت میں پہلا پریشد کی تشکیل ہوئی جس کے پہلے جلسہ میں تقریباً 200 خواتین نے حصہ لیا۔

ایشور چندر دیا ساگر اور نکاح بیوگان (1820-91ء) :



تصویر - 3 : ایشور چندر دیا ساگر

نکاح بیوگان کے تئیں بھی ایک سماجی مخالفت اور غفلت کی حالت تھی۔ مشہور سماجی مصلح ایشور چندر دیا ساگر نے خواتین کی ترقی کے لئے اپنی زندگی قربان کر دی۔ ان کی قیادت میں نکاح بیوگان کی حمایت میں تحریک چلائی گئی جس کے لئے انہوں نے قدیم کتابوں کا حوالہ دیا۔ وہ درحقیقت ایسی سماجی روایت کو ختم کرنا چاہتے تھے جس پر مذہب کی مہر لگادی گئی تھی۔ راجا رام موہن رائے کی طرح ایشور چندر نے بھی مذہب کی حقیقی شکل کو اصلاحات کی بنیاد بنانے کی کوشش کی تاکہ یہ سماجی تبدیلیاں مذہب مخالف نہ سمجھی جائیں۔

ایشور چندر دیا ساگر جیسے رہنما کی کوششوں سے نکاح بیوگان کی منظوری

دی گئی۔ برٹش حکومت نے ان کے مشوروں کو ماننے ہوئے 1856ء میں نکاح بیوگان کی حمایت میں ایک قانون پاس کر دیا۔ نکاح بیوگان کو ایک قانونی حیثیت تو حاصل ہوگئی لیکن سماجی قبولیت کے لئے طویل عرصے تک ناموافق حالات بنے رہے۔ نکاح بیوگان کے مخالفین نے ایشور چندر کا بھی بایکاٹ کیا۔ تاحیات اس مسئلہ کے تئیں وفادار رہنے پر بھی نکاح بیوگان کا یہ مسئلہ ایک ابتدائی نقطہ تک ہی محدود رہا۔ اس عہد کے اعداد و شمار اظہار کرتے ہیں کہ ایسی شادیوں کی تعداد انتہائی تھی۔ 1900ء کی آمد تک لگ بھگ 300 نکاح بیوگان کا واقعہ اعلیٰ ذاتوں میں دیکھا گیا۔ بنیادی طور پر یہ مسائل اعلیٰ ذات سے متعلق مسائل بھی تھے جو سماج کے اہل ثروت طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ چونکہ آگے چل کر قانون کے ذریعہ عورتوں کو جائیداد کا حق بھی حاصل

انہیں بھی جانیں !

کورنلیا سہراب جی خواتین کے مسائل کو قانونی طور پر حل کرنے والی ممکن ہے پہلی خاتون وکیل ہوں۔ رکھما بائی مقدمے کے ذریعہ کورنلیا نے خواتین سے متعلق کچھ اہم سوالات اٹھائے۔
لیکن کیا اس کا اثر بنگال جیسے بیدار علاقہ میں قبول کیا جاسکا۔ مغربی ہند میں پرارتھنا سماج یا دکن سوسائٹی کے ذریعہ کہاں تک اشاعت کی جاسکی۔

ہو گیا۔ اس لئے بیواؤں کی دوسری شادی کے لئے کوشش نہیں کی گئی۔ یہ موروٹی جائیداد کو محفوظ رکھنے کا ایک حل بھی تھا۔ اس لئے نکاح بیوگان کی سماج میں بہت زیادہ حوصلہ افزائی نہیں ہوئی۔

لیکن ودیا ساگر کی کاوشوں نے اصلاحی

مزاج کو ایک قوت بخشی جس کی بنیاد پر بعد میں ایچ آف کنسپٹ نافذ ہوا جس نے ہندوستانی روایات کی سخت مخالفت کی۔ کیشو چندر سین نے اس کام کو آگے بڑھایا جس کے نتیجے میں نیو میرج ایکٹ نام سے قانون پاس ہوا۔ اس قانون میں کثرت ازدواج کی مخالفت کی گئی اور شادی کے لئے کم سے کم عمر لڑکیوں کے لئے 14 سال اور لڑکوں کے لئے 18 سال رکھا لیکن جب کیشو چندر سین نے اپنی کم عمر بیٹی کی شادی کی تو ہندوستانی سماج میں موجود تضادات سامنے آئے۔ وقت کے اس نظریہ کو سماجی منظوری بھی حاصل ہوئی اور بالواسطہ طور پر اس نئی روایت سے غیر برادری کی شادی کی حوصلہ افزائی بھی ہوئی ہے۔ برہم سماج اور آریہ سماج نے بھی اپنی تنظیموں کے ذریعہ خواتین کی ترقی سے متعلق موضوع کو اپنی مکمل حمایت دی۔



تصویر 4: پنڈت رامابائی

سنسکرت کی عظیم دانشور پنڈت رامابائی کا کہنا تھا کہ ہندو مذہب خواتین پر جبر کرتا ہے۔ انہوں نے اعلیٰ ذاتوں کی ہندو خواتین کی بد حالی پر ایک کتاب بھی تصنیف کی۔ انہوں نے پونہ میں ایک خانہ بیوگان قائم کیا جس کا مقصد بیواؤں کو خود کفیل بنانا تھا۔ یہ شاردا سدن کے نام سے جانا گیا۔ رامابائی نے بعد میں عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ دوبارہ شادی کی جس سے دقیانوسی خیمے کے لوگ ناراض ہو گئے اور انہیں اعزاز سے محروم کر دیا جو ایک دانشور کو ماننا چاہئے تھا ایک خاتون خود سے فیصلہ لینے کا وہی اختیار رکھے جو ایک مرد کو ہمارے سماج میں حاصل ہے۔

سوامی دیانند سروتی (1824-1875ء) :



سوامی دیانند سروتی نے آریہ سماج نام کی ایک تنظیم قائم کی تھی۔ آریہ سماج نے سماجی نابرابری کو دور کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ جن میں بنیادی طور پر خواتین کی ترقی کے لئے تعلیم پر زور دیا۔ آریہ سماج کے لوگ بچپن کی شادی کی مخالفت اور نکاح بیوگان کی حمایت کرتے تھے۔ ویدوں کو مکمل طور پر مانتے ہوئے خواتین کی ترقی اور ذات پات کے نظام کی پابندی کو کمزور کرنے میں بہت موثر رہے۔ لیکن بد قسمتی سے ادارے کے ذریعہ ہندو ازم پر زیادہ زور دینے کی وجہ سے اصلاحی تناظر میں رد عمل کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اور سماج میں ذات پات کے نظام کی مخالفت کرے والا یہ ادارہ دیگر مذاہب کے تئیں روادار خیال کا حامل نہیں بن سکا۔ حالانکہ یہ تنظیم دوسروں کی بہ نسبت زیادہ مقبول رہی ہے۔

تصویر۔ 5 : سوامی دیانند سروتی

سوامی ویوکانند (1863-1902ء) :



تصویر۔ 6 : سوامی ویوکانند

سوامی ویوکانند نے ہندوستان کی پس ماندگی اور تنزلی کے لئے غربت، ذہنی پس ماندگی اور مستقبل کے تئیں مایوسی کو ذمہ دار مانا اور اپنے ہم وطنوں کی کمزوریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے تعلیم کے حصول پر زور دیا۔ تعلیم کی توسیع ہی خواتین کے وقار کی ضامن بن سکتی تھی جس سے ہندوستانی ثقافت کا احترام مغربی دنیا میں قائم ہو سکے۔ 1893ء میں امریکہ کے شکاگو میں منعقدہ عالمی مذہبی کانفرنس میں حصہ لیتے ہوئے ہندوستان کے گہرے فلسفہ کا اثر قائم کرنے میں انہیں کامیابی ملی۔ اقلیتی فرقہ کے درمیان بھی خواتین کی حالت میں اصلاح کی کئی کوششیں ہوئیں اور کئی تنظیمیں قائم کی گئیں۔

مسلمانوں میں بیداری کا آغاز انیسویں صدی کے نصف اول میں سرسید احمد خان (1817ء-1898ء) کے ذریعہ ہوئی۔ مسلمانوں میں اصلاح کے نقطہ نظر سے وہ تعلیم کی توسیع میں لگے۔ خواتین کی ترقی کے سلسلے میں سرسید احمد نے



کثرت ازدواج، پردے کی رسم اور طلاق کے روایتی اصولوں میں جدیدیت کے مطابق ترمیم کے مشورے دیئے۔ لیکن تعلیم کے میدان میں زیادہ تر لڑکیاں آگے بڑھے۔ اس کی کو آگے چل کر مسلمان مصلحین کی اگلی نسل میں شیخ عبداللہ نے پورا کرنے کی کوشش کی اور خواتین کی تعلیم پر زور دیا۔ ممتاز علی جیسے کچھ مصلحین نے قرآن شریف کی آیتوں کا حوالہ دے کر بتایا کہ خواتین کو بھی تعلیم کا اختیار ملنا چاہیے۔

پاری (مجموعی) فرقہ میں خواتین کی ترقی کے لئے اہم کوششیں شروع کی گئیں۔ تصویر- 7: سید احمد خاں

پاری سماج میں دو پیشرو ہوئے۔ دادا بھائی نوروجی (1825-1917ء) اور نوروجی فردون جی (1817-1885ء) دونوں نے

مل کر راست گفتار نام کے رسالہ کا آغاز کیا۔ دونوں نے ہی تعلیم کی توسیع کے لئے خصوصاً



لڑکیوں کی تعلیم کے لئے انتہائی کوششیں کیں۔ نوروجی خاندان کے تعاون سے پاری فرقہ کے تحت خواتین زرتشی جماعت کی تشکیل ہوئی۔ 1903ء کے آنے تک تقریباً 50 خواتین کو اس تنظیم سے جوڑا گیا۔ اس تنظیم تقریباً 36 سالوں تک سورہن مائی ایم خورشید جی کی صدارت میں قائم رہی۔

علاقائی سطح پر مشرقی انچل میں بھی بیداری کی نئی لہر آئی۔ بہار میں خواتین تعلیم کو

تصویر- 8: نیروجی فردون جی

آگے بڑھنے میں برہم سماج کا اہم رول رہا ہے۔ ان کا مقصد عورتوں کے طرز حیات میں اصلاح لانا تھا جسے صرف تعلیم کے ذریعہ ہی ممکن تھا۔

ڈاکٹر بی سی رائے بنگال کے پہلے وزیر اعلیٰ کی ماں اگھور کامنی دیوی کے ذریعہ لڑکیوں کے لئے بانگی پور گرلس ہائی اسکول قائم ہوا اور اس طرح بنیاد پرست طبقہ کی مخالفت کو نظر انداز کر کے پنڈتوں میں لڑکیوں کی تعلیم کا آغاز کر دیا گیا۔ یہ اسکول فروری 1891 میں صرف طالبات کے لئے شروع ہوا۔ اور راج بہار کی راجدھانی میں اس تعلیمی ادارے کی اپنی شناخت ہے۔ انہوں نے شلپ کلا دستکاری کی حوصلہ افزائی کے لئے تربیت کے مراکز قائم کئے۔ لڑکیوں کے لئے درس گاہ کھولے گئے۔ جن

انہیں بھی جانیں

کوریلیا سوراب جی خواتین کے مسائل پر قانونی حل سے
اپائے کرنے والی ممکن ہے پہلی خاتون وکیل ہوں۔ رکھاباکی
مقدمے کے ذریعہ کوریلیا نے خواتین سے متعلق کچھ اہم
سوالات اٹھائے۔

لیکن کیا اس کا اثر بنگال جیسے بوبیدار علاقہ میں قبول کیا جا سکا۔
مغربی ہند میں پارتھنا سماج یا وکن سوسائٹی کے ذریعہ اسے
کہاں تک اشاعت کی جا سکی۔

میں رابندر بالیکا مہاودیا لیہ 1931ء رابندر ناتھ ٹھاکر کی بیٹی نے
قائم کی۔ مادھوری لتادیو نے 1903ء میں مظفر پور میں چیپ
مین گرلس اسکول کی بنیاد ڈالی۔ درج بالا تمام اسکول آج بھی
لڑکیوں کی تعلیم کی توسیع میں اہم خدمات انجام دے رہے
ہیں۔ چلی ذات کی لڑکیوں کے لئے بہار میں 1910ء سے
1945ء کے درمیان پنڈہ، موٹیر، جمال پور، گیا وغیرہ شہروں
میں اسکول کھولے گئے۔ دلتوں کی فلاح و بہبود تو ہوئی مگر

لڑکیوں کی تعداد کم ہی رہی۔ بہار میں عورتوں کی تعلیم کے شعبہ میں رام کرشن مشن، تھیوسوفیکل سوسائٹی اور کبیر پنڈہ کا بھی
زبردست رول رہا ہے۔ رام کرشن مشن کی شاخیں 1922ء میں پنڈہ اور دیوگر میں قائم ہوئیں۔ 1882ء تک تھیوسوفیکل سوسائٹی
نے بھاگلپور گیا، آرا اور پنڈہ میں پارتھنا سماج اور تعلیمی ادارے کھولے جو آج بد حالی کے شکار ہیں۔

بچپن کی شادی اور شادی کی عمر :



تصویر - 9 : کیشو چندر سین

بچپن کی شادی کی روایات کو چیلنج دیا جانے لگا۔ اس عہد میں کئی خواتین تنظیموں
کو فروغ ہوا جو اس جہت کے تئیں فعال رہیں اور بچپن کی شادی کے خاتمہ کی حمایت
میں کئی مضامین لکھے۔ یہاں تک کہ مرکزی قانون سازی اسمبلی کے کئی ایم پی نے بچپن
کی شادی پر پابندی کے لئے قانون بنانے کی جدوجہد شروع کی۔

1929ء میں بچپن کی شادی پر پابندی کا قانون پاس کیا گیا۔ حالانکہ اس

اصلاحی قانون کے لئے بہت جدوجہد نہیں کرنی پڑی۔ اس قانون کے مطابق 18 سال

سے کم عمر کے لڑکے اور 16 سال سے کم عمر کی لڑکی کی شادی نہیں ہو سکتی تھی۔ بعد میں یہ عمر بالترتیب 21 سال اور 18 سال کر دی
گئی۔

بچوں کے قتل کا رواج خصوصاً ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں تھا۔ غیر انسانی روایات کو 1870ء میں غیر قانونی

انہیں بھی جانیں
کیٹو چندر سین کے ذریعہ تاریخی اسٹیشنل میرج ایکٹ 1871
کاڈرافٹ پٹنہ میں تیار ہوا تھا۔

اعلان کر دیا گیا۔ دیگر قانون بنانے میں جہاں بہت وقت لگتا
تھا۔ اس سلسلے میں برٹش حکومت نے جس طرح کی جلد بازی
دکھائی وہ حیرت انگیز تھی۔ 1870ء کے ایک خاص قانون کے

ذریعہ اس جرم کو موثر ڈھنگ سے ختم کیا گیا کہ 1906ء کے آنے تک ایسے قانون کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ اس قانون کو نافذ
کرنے سے قبل برٹش حکومت کا حوصلہ اتنا بڑھ چکا تھا کہ وہ ہندوستان کے اندرونی سماجی روایات میں مداخلت کر سکتی تھی۔ سرکار
کا وہ خوف اب ختم ہو چکا تھا کہ اگر وہ ہندوستانی روایات سے چھیڑ چھاڑ کریں گے تو سیاسی طور سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اس
قانون کو کامیاب بنانے کے لئے کئی ہندوستانی خاندان کو جائزے میں رکھا گیا۔ تاکہ آبادی کے اعداد و شمار کو سرکاری نگرانی میں
لایا جاسکے۔ یہ قانون برٹش حکومت کے بڑھتے ہوئے خود اعتمادی کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ اس قانون سے انگریزوں کو ہندوستانی
ثقافت اور روایات میں بھی مداخلت کی جرأت ہوئی۔ لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ معصوم بچوں کے قتل کے حقیقی اسباب کیا تھے یا کیا
ہیں۔ کیونکہ یہ ظالمانہ رواج ایک بار پھر ماں کے پیٹ میں ہی بچوں کے قتل کی شکل میں ہمارے سماج میں ایک لعنت کی شکل میں
ابھر چکا ہے جس کی وجہ سے بچیوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے۔ عورتوں کا گرتا ہوا فیصد آج بھی خاندان میں لڑکیوں کی پیدائش
غم کی وجہ بنتی ہے۔ چونکہ لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ، جہیز کا سوال انہیں خاندان کے لئے بوجھ بنا دیتا ہے۔ اس لئے نچلے طبقے کے
خاندان میں آج بھی لڑکیوں کو تعلیم سے محروم رکھتے ہوئے جہیز کے لئے دولت جمع کی جاتی ہے۔

انیسویں صدی کے آخر تک خود خواتین بھی اپنی حالت میں اصلاح کے لئے آگے بڑھیں۔ انہوں نے کتابیں لکھیں
رسائل نکالے اسکول اور تربیتی مراکز کھولے اور خواتین کو منظم کیا۔ ایسی دیگر کئی قومی خواتین کی تنظیم قائم ہوئی جن میں قومی

انہیں بھی جانیں
1861ء کے قانون نے جہیز کو غیر قانونی قرار دیا گیا۔ لیکن یہ
رواج آج بھی رائج ہے جو خواتین کی حالت کو متاثر کرتا ہے۔

خواتین کاؤنسل کل ہند خواتین کانفرنس (A.I.W.C) جیسی
خواتین فرنٹ کو تیار کیا گیا جو خواتین میں بیداری لانے کا کام

بھی کر رہی تھیں۔ اوسط طبقہ کی تعلیم یافتہ خواتین نے یہ جان لیا تھا کہ ان کے سامنے ایسے چیلنج تھے جنہیں برٹش حکومت کے ساتھ جدوجہد کرتے ہوئے اپنی داخلی کمزوریوں کو دور کر ساجی اصلاحی تحریک کے ذریعہ خواتین کی حالت میں اصلاح کرنے کی پہل کی۔ ان کے ذریعہ خصوصاً سستی کا رواج، چھوٹی بچی کا قتل، کثرت ازدواج، بچپن کی شادی جیسے سماج کے غلط رواج کو دور کرنے کے لئے تعلیم کے ذریعہ کو ذریعہ دیا گیا۔ ان کے مطابق صرف تعلیم ہی ایسی بنیادی روایت اور دقیقہ نویسی خیالات کو دور کر سکتی تھی۔ جن کی وجہ سے خواتین سماج میں اپنے جائز حقوق سے محروم تھیں۔

خواتین سے متعلق ایسے سنگین وحساس موضوع کو انیسویں صدی میں منظور کر لیا گیا بلکہ ہندوستان کو آزاد کرنے کے ساتھ ساتھ خواتین کی بدتر حالت کو ختم کرنے کی اس کوشش کو معمولی نہیں کہی جاسکتی ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز سے خواتین کو ووٹ دینے کا اختیار، طبی سہولیات اور حصول تعلیم کے بارے میں قانون سازی کے لئے سیاسی طور پر ایک جماعت بھی بن گئی تھی۔ ایسے ادارے آج بہت سرگرم ہیں اور ایسے بہت سے اصلاحی منصوبے صوبہ کے ذریعہ پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں سے کچھ خواتین نے 1920ء کے عشرے سے مختلف قسم کی قومی اور سماجی تحریکوں میں حصہ لیا۔ مہاتما گاندھی نے پہلی بار قومی تحریک میں خواتین کی حصہ داری پر زور دیا اور ان کی خود اعتمادی کو بیدار کیا جو ہر لال نہرو نے خواتین کے لئے مزید آزادی و مساوات کے مطالبوں کی حمایت کی۔

بہار میں — لڑکی سائیکل منصوبہ نے بھی لڑکیوں کی تعلیمی تناسب کو آگے بڑھایا ہے۔

پنچایتی نظام میں — بہار میں پانچ فیصد ریزرویشن کی پہل خواتین کو طاقتور بنانے کی طرف اٹھایا گیا ایک مضبوط قدم ہے۔

سماجی مصلحین نے خواتین کے تئیں اپنائی گئی غیر حساس روایات کو قبول نہیں کیا۔ ان کے ذریعہ خواتین کے تئیں ہمدردی رکھی گئی۔ بیواؤں کو سماج میں برابری سے جینے کے مکمل اختیار دینے کی کوشش کی گئی۔ سستی رواج کی غیر انسانی حرکت کی سخت مخالفت کی گئی۔ کثرت ازدواج بچپن کی شادی جیسے غیر مفید رواجوں کو بھی ختم کی گئیں تاکہ وہ تعلیم سے محروم نہیں کی

جاسکیں۔

پردہ کے رواج کی وجہ سے عورتوں کو سماج سے الگ رکھا جاتا تھا۔ ایسے میں ان روایات کو توڑنے کی کوشش کی گئی۔ جو اس دور کی ایک بڑی کامیابی ہے۔ چونکہ عورت کو پہلی بار سماج کے مرکزی دھارے سے جڑنے کا موقع ملا اور عورتوں کے سوال پر انسانی نقطہ نظر کو اپنایا گیا گرچہ خواتین کی حالت میں اصلاح کی تدبیروں میں کچھ کمی پائی گئی جس کی وجہ سے یہ کوشش اعلیٰ طبقہ کی خواتین تک ہی محدود رہی اور وسیع تر دیہاتی علاقوں تک نہیں پہنچائی جاسکی۔ اس لئے یہ کوشش محدود ہو کر رہ گئی۔

بیسویں صدی کے آنے تک بیداری کی لہر خواتین سماج تک پہنچ چکی تھی جنہوں نے خود حصول اختیارات کی جدوجہد کو آگے بڑھانے کا بیڑا اٹھایا چونکہ مردوں کے ذریعہ صرف ان کی اصلاح کی تدبیریں کی گئی تھیں۔ مگر یہ بھی محدود اور ناکافی سمجھی گئیں اور محدود مقاصد پر مبنی یہ تحریک وقت کے ساتھ کمزور ہوتی گئی۔ اب خود اپنی ترقی اور برابری کے اختیار کے لئے خواتین کی جدوجہد آج بھی جاری ہے۔

مشق

آئیے پھر سے یاد کریں :

1. صحیح متبادل کو چنئے :

(i) خواتین کی نابرابری کی حالت پر پہلی بار کس کے ذریعہ سوالیہ نشان لگایا گیا؟

(الف) انگریزوں کے ذریعہ (ب) ہندوستانی تعلیم یافتہ کے ذریعہ

(ج) خواتین کے ذریعہ (د) نچلے طبقہ کے لیڈر کے ذریعہ

(ii) تعلیم کس طبقہ کی عورتوں تک محدود رہی؟

(الف) نچلے طبقہ (ب) متوسط طبقہ

(ج) اعلیٰ طبقہ (د) ان میں سے کوئی نہیں

(iii) قانون کے ذریعہ سستی کے رواج کا خاتمہ کب ہوا؟

(الف) 1826ء (ب) 1827ء

(ج) 1828ء (د) 1829ء

(iv) نکاح بیوگان کے لئے کس نے اپنی زندگی قربان کر دی؟

(الف) ایثور چندرودیا ساگر (ب) دیانند سرسوتی

(ج) راجارام موہن رائے (د) سید احمد خان

(v) بچپن کی شادی پر پابندی قانون کس سال نافذ ہوا؟

(الف) 1926ء (ب) 1927ء

(ج) 1928ء (د) 1929ء

آئیے غور کریں :

(i) عورتوں میں نابرابری کی حالت کے خاص اسباب کیا تھے؟

(ii) سستی کے رواج پر کس طرح کا تنازعہ رہا؟ سستی مخالف اور سستی حمایتی خیالات کو لکھیں۔

(iii) راجارام موہن رائے کے ذریعہ خواتین سے متعلق کس مسئلہ کے خلاف آواز اٹھایا گیا؟

(iv) ایثور چندرودیا ساگر کی 'خواتین اصلاحی خدمات' کا تذکرہ کریں۔

(v) سوامی وویکانند نے خواتین ترقی کے لئے کون کون سے مشورے دیئے؟

آئیے کر کے دیکھیں :

(i) خواتین میں خواندگی بڑھانے کے لئے آپ کے خیال میں کس طرح کی کوششیں کی جانی چاہئیں؟ درجے میں اپنے

ساتھیوں سے مذاکرہ کیجئے۔

(ii) خواتین ترقی کے لئے چلائی جانے والی سرکاری منصوبوں کی جانکاری جمع کر کے اس کی ایک فہرست بنائیں۔

انگریزی حکومت اور شہری تبدیلیاں

سبق - 3 میں آپ نے پڑھا کہ کس طرح ہندوستان میں برٹش حکومت کے قیام کے بعد دیہاتی زندگی بدل گئی مگر انگریزوں کی حکومت تو سبھی جگہ تھی۔ شہروں میں بھی تو کچھ تبدیلیاں ضرور آئی ہوں گی۔ ہم اس سبق میں اسی بات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اور دیکھیں گے کہ غلام ہندوستان میں شہریت کا عمل کیسا تھا اور اس وقت شہروں اور قصبوں میں لوگوں کی زندگی کیسی تھی۔

لیکن اس سے پہلے کہ ہم غلامی کے دور میں شہروں کی ترقی تلاش کریں ہمیں برٹش حکومت کے پہلے کے شہروں پر ایک نظر ڈالنی چاہئے شہر میں عام طور سے دیہاتی علاقوں کے کافی لوگ ہوتے تھے اور یہاں کی معاشی سرگرمیاں اور ثقافتیں گاؤں سے بہت مختلف ہوتی تھیں آپ یہ جانتے ہیں کہ گاؤں کے لوگوں کا خاص کام کھیتی ہوتا تھا جبکہ شہروں میں کھیتی کا کام نہیں کے برابر ہوتا ہے۔ یہاں مختلف طرح کی تجارت ہوتی ہے۔ شہروں میں تاجر، دستکار، حکمران اور افسران رہتے تھے۔ اکثر شہروں کی قلعہ بندی کی جاتی تھی جو دیہاتی علاقوں سے اس کے فرق کی نشاندہی کرتی تھی۔ شہروں کا دیہاتی عوام پر غلبہ ہوتا تھا۔ اور وہ کھیتی سے حاصل ٹیکسوں اور مالگذاری کی بنیاد پر پھلتے پھولتے تھے۔

سولہویں صدی اور سترہویں صدی میں مغلوں کے ذریعہ بسائے گئے شہر آبادی کی کثرت، عظیم الشان عمارتوں اور شہری خوشحالی کے لئے مشہور تھے۔ آگرہ، دہلی، لاہور جیسے شہر مغل انتظامیہ اور حکومت کے اہم ترین مراکز تھے۔ ان مراکز میں شہنشاہ اور امرا جیسے اعلیٰ طبقہ کی موجودگی کی وجہ سے وہاں کئی طرح کی خصوصی خدمات انجام دینے والے لوگ رہائش پذیر تھے۔ دستکار اعلیٰ طبقہ کے لئے خصوصی دستکاریوں کا سامان تیار کرتے تھے۔ دیہاتی علاقوں سے شہر کے باشندوں کے لئے غلہ لایا جاتا تھا۔ شہنشاہ ایک حصار بند محل میں رہتا تھا اور شہر ایک دیوار سے گھرا ہوتا تھا جس میں الگ الگ دروازوں سے آمد و رفت کا راستہ

ہوتا تھا۔ قلعہ بند شہروں کے اندر چڑیا خانہ (باغ باغیچے) مندر مسجد، مقبرے، اسکول، بازار اور مسافر خانے بنے ہوتے تھے۔



تصویر۔ 1 : انیسویں صدی کے وسط میں شاہجہاں آباد کی تصویر۔

آپ بائیں طرف لال قلعہ دیکھ سکتے ہیں۔ شہر گھیرنے والی دیواروں میں دھیان سے دیکھیں۔ بچوں سچ چاندنی چوک کا خاص راستہ دکھائی دے رہا ہے، دیکھئے کہ ہمنامی لال قلعہ سے سڑک پر بدھ رہی ہے اب اس کا راستہ بدل گیا ہے جہاں کشتی کنارے کی طرف بڑھ رہی ہے اسے اب دریا گنج کہا جاتا ہے۔

عہد وسطیٰ میں ان انتظامی شہروں کے علاوہ جنوبی ہند میں مدورئی، متجاوور، کاجچی پورم جیسے کچھ ایسے شہری مراکز تھے جو اپنے مندروں کے لئے مشہور تھے۔ لیکن یہ شہر پیداوار اور تجارتی سرگرمیوں کے بھی خاص مراکز تھے۔ مذہبی تیوہاروں کے موقع پر یہاں میلے کا انعقاد کیا جاتا تھا جس سے تیرتھ اور تجارت بھی شامل تھی۔

شہری مراکز میں تبدیلیاں:

اشہار ہویں صدی میں شہروں کی حالت میں تبدیلیاں آنے لگیں۔ سیاسی اور تجارتی سرگرمیوں میں تبدیلی کے ساتھ پرانے شہر زوال پذیر ہوئے اور نئے شہروں کی ترقی ہونے لگی۔ مغل حکومت کے دھیرے دھیرے کمزور ہونے کی وجہ سے حکومت سے متعلق شہروں کا زوال ہونے لگا۔ نئی علاقائی حکومتی مراکز، لکھنؤ، حیدر آباد سری رنگا پٹنم، پونا، ناگپور، برودہ وغیرہ نئے شہری مراکز کی صورت میں قائم ہونے لگے۔ تاجر، دستکار، فنکار، حکمران اور دیگر خصوصی خدمات پیش کرنے والے لوگ ان نئے حکومتی مراکز کی طرف کام اور تحفظ کی تلاش میں آنے لگے۔ تجارتی نظام میں تبدیلی کی وجہ سے بھی شہری مراکز میں تبدیلیوں کے علامات دیکھے گئے یورپی تجارتی کمپنیوں نے مغل عہد میں ہی مختلف مقامات پر اپنے تجارتی مراکز قائم کئے۔

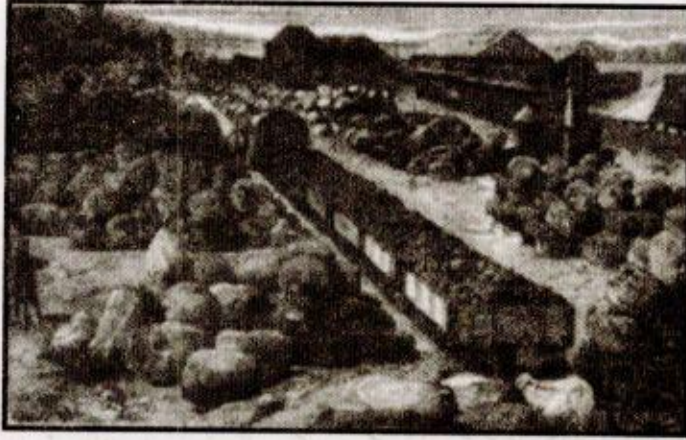
پرتگالیوں نے گوا میں ڈچوں نے مچھلی پنٹم میں، انگریزوں نے مدراس (چنئی میں) فرانسیسیوں نے پانڈیچیری (پودوچیری) میں۔ تجارتی سرگرمیوں میں توسیع کی وجہ سے ان تجارتی مراکز کے آس پاس شہر آباد ہونے لگے۔

اٹھارہویں صدی کے آخر میں تبدیلی کا ایک نیا دور شروع ہوا جب تجارتی سرگرمیاں دیگر مقامات پر مرکوز ہونے لگیں تب پرانے تجارتی مرکز اور بندرگاہ اپنی اہمیت کھونے لگے۔ خاص قسم کے سامانوں کو پیدا کرنے والے شہر اس لئے پھپھڑنے لگے کیونکہ ان کی مانگ رفتہ رفتہ کم ہونے لگی۔ انگریزوں کے ذریعہ مقامی حکمرانوں پر فتح کی وجہ سے بھی علاقائی حکومت کے پرانے مراکز برباد ہونے لگے اور حکومت کے نئے مراکز کو فروغ ہونے لگا۔ 1757ء میں پلاسی کی جنگ کے بعد جیسے جیسے انگریز سیاسی قبضہ قائم کرتے گئے اور انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت پھیلنے لگی تب مدراس (چنئی)، بنگلہ (کولکاتا) بمبئی (ممبئی) کی اہمیت پر یزیدنیسی شہر کی صورت میں ابھری۔ نئی عمارتوں اور اداروں کی ترقی ہوئی اور شہروں کو نئے طریقوں سے منظم کیا گیا۔ نئے روزگار فروغ پائے اور لوگ شہروں کی طرف آنے لگے۔

اجڑتے شہر

بنگال میں بھاگیرتھی ندی کے کنارے پر واقع مرشد آباد ریشمی کپڑوں کی پیداوار خاص مرکز کی شکل میں ابھرتا ہے۔ لیکن اٹھارہویں صدی کے دور کا شہر پہلے کی بہ نسبت توسیع اور اہمیت کے نقطہ نظر سے سکڑ گیا کیوں کہ وہاں کے بنکر انگلینڈ کی ملوں سے آئے سستے کپڑوں کے ساتھ مقابلے میں ٹک نہیں سکے۔ یہی حال ڈھاکہ کا ہوا جو مل کے کپڑوں کی تجارت کا مرکز اور بندرگاہ شہر تھا۔ اٹھارہویں صدی کے آخر میں جب تجارت ممبئی، مدراس، کولکاتا کے نئے بندرگاہوں پر مرکوز ہونے لگی تب یہ شہر اپنی تجارتی اہمیت اور خوشحالی کھو بیٹھا۔ بہار کے تناظر میں مولگیر، بھاگلپور وغیرہ شہروں کے اجڑنے کی حالت کی معاصر ایرانی سیاح احمد بہانی نے تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔

1853ء میں ریلوے کا آغاز ہوا ہر ایک ریلوے اسٹیشن خام مال کا گودام اور درآمد شدہ سامانوں کا تقسیم کار بن گیا۔



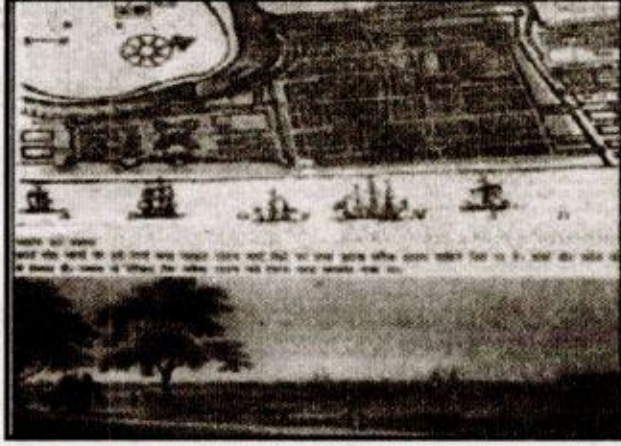
تصویر - 2 : ریلوے شہر کی تصویر

ریلوے کے توسیع کے بعد ریلوے
ورکشاپ اور ریلوے کالونیوں کے
بننے کا کام شروع ہو گیا۔ اسی وقت
جہاں پورا اور بریلی جیسے ریلوے شہر بھی
وجود میں آئے۔

مغربی یورپ کے زیادہ
ترمالک میں جدید شہروں کا نمود،

صنعت کاری کے ساتھ جڑا تھا انگلینڈ میں مین چیسٹر، لیور پول، لیڈس جیسے صنعتی شہروں کا انیسویں صدی میں تیزی سے ارتقاء
ہوا۔ یہ شہر سوتی کپڑے اور اسپات پیداوار کے خاص مراکز تھے۔ صنعتی انقلاب کے نتیجے میں لوگ روزگار کی تلاش میں گاؤں
سے شہروں کی طرف آنے لگے۔ بڑے بڑے زراعتی فارموں کے قیام کی وجہ سے چھوٹے کسانوں کو گاؤں چھوڑ کر کام کی تلاش
میں کارخانوں میں آنا پڑا جس سے صنعتی مراکز کی آبادی بڑھنے لگی۔ صنعتی مراکز کے آس پاس نئے شہروں کی ترقی ہوئی۔ جہاں
انگلینڈ میں 1700ء میں 77% فیصد لوگ گاؤں میں بستے تھے وہیں 1900ء میں صرف 20% لوگ گاؤں میں رہ رہے تھے۔ اور
80% فیصد لوگ شہروں میں رہنے لگے۔ اس طرح آبادی کا شہروں کی طرف تیز رفتاری سے تبادلہ ہونے لگا۔ گاؤں کے اجڑنے اور
نئے شہروں کے بننے سے معاشی نظام کی بنیاد ہی بدل گئی۔ پہلے گاؤں ہی معاشی نظام کی بنیاد تھا اب صنعتی انقلاب کی وجہ سے شہر
معاشی نظام کا بنیادی مرکز بن گیا۔ لیکن ہندوستان میں شہروں کی توسیع یورپی ممالک کی طرح تیزی سے نہیں ہوئی۔ کیوں کہ
ہندوستان میں جانب دار اور سامراجی پالیسی نے ہمارے صنعتی ترقی کو آگے نہیں بڑھنے دیا۔ پھر بھی کانپور اور جمشید پور صحیح معنوں
میں صنعتی شہر تھے۔ کانپور میں سوتی اور اونی کپڑے اور چمڑے کے سامان بنتے تھے۔ جبکہ جمشید پور اسٹیل پیداوار کے لئے مشہور
ہوا۔

پریزیڈنسی شہر کی بناوٹ



تصویر۔ 3 : فورٹ سینٹ جارج، مدراس کا نقشہ

فورٹ سینٹ جارج کے ارد گرد بناوہاٹ ٹاؤن بائیں طرف پر اور پرائیویٹ ٹاؤن دائیں
دائیں طرف ہے۔ فورٹ سینٹ جارج گھیرے میں واقع ہے۔ وہیں سے دیکھیں کہ بلیک
ٹاؤن کو کس طرح بسایا گیا تھا۔ نیچے بلیک ٹاؤن کا ایک حصہ۔

اٹھارہویں صدی کے وسط تک کولکاتہ،
ممبئی اور مدراس تیزی سے بڑے شہر
بن گئے۔ ایٹ انڈیا کمپنی نے اپنے
کارخانے (تجارتی دفاتر) انہیں
شہروں میں بنائے۔ یہ کارخانے کمپنی
کے تجارتی سامان کے ذخیروں کے
مرکز کی شکل میں کام کرتے تھے۔

یورپی تجارتی کمپنیوں کے درمیان
مقابلے کی وجہ سے ان کی قلعہ بندی کی
جاتی تھی۔ مدراس میں فورٹ سنٹ

جارج، کولکاتہ میں فورٹ ولیم اور ممبئی میں فورٹ۔ یہ علاقے برٹش آبادی کی شکل میں جانے جاتے تھے۔ یورپی
تاجروں سے لین دین کرنے والے ہندوستانی تاجر کارگیر اور مزدوران سے قلعوں کے باہر الگ علاقے میں رہتے
تھے۔ ان علاقوں کو وہاٹ ٹاؤن یعنی گوراشہر اور بلیک ٹاؤن یعنی کالا شہر کہا جاتا تھا۔

غلامی کے شہر عہد وسطی کے شہر سے کس طرح مختلف تھے؟ درجہ میں اس پر مذاکرہ کریں۔

شہری زندگی اور سماجی پس منظر :

شہروں میں انتہائی خوشحالی اور انتہائی غربت دونوں کے منظر ایک ساتھ ہوتے تھے۔ زندگی ہمیشہ دوڑتی بھاگتی سی دکھائی

دیتی تھی۔ ٹاؤن ہال، عوامی پارک، تفریح گاہوں اور سینما گھروں جیسے عوامی مقامات کے بنانے سے لوگوں کو ملنے جلنے کے لئے نئی جگہ اور مواقع ملنے لگے تھے۔ شہروں میں ہر طبقہ کے لوگ آنے لگے۔ کلرکوں، معلموں، وکیلوں، ڈاکٹروں اور انجینئروں کی مانگ بڑھتی جا رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہروں میں اوسط طبقہ کے لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اسکول، کالج اور کتب خانے جیسے نئے تعلیمی اداروں کے کھلنے سے ان کے بچے نئے خیالات کی توسیع ہوئی۔ تعلیم یافتہ ہونے کے ناطے وہ سماج اور سرکار کے بارے میں اخباروں، رسالوں اور عوامی محفلوں میں اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے تھے۔ بحث و مباحثے کا ایک نیا عوامی دائرہ پیدا ہوا۔ شہروں میں خواتین کے لئے بھی نئے مواقع تھے۔ گھر کی چہار دیواری سے باہر عوامی مقامات پر خواتین کی موجودگی بڑھنے لگی۔ وہ معلمہ تھیں اور فلمی فنکار، فیکٹری مزدور اور نوکرانی کی شکل میں شہر کی نئی تجارتوں میں شامل ہونے لگیں۔

شہروں میں محنت کش غریب اور مزدوروں کا ایک نیا طبقہ ابھر رہا تھا۔ دیہاتی علاقوں کے غریب روزگار کی تلاش میں شہروں کی طرف آرہے تھے۔ مزدور طبقہ کے لوگ اپنے یورپی اور ہندوستانی مالکوں کے لئے خانے (کھانا بنانے والے) گاڑی بان، چوکیدار اور تعمیرات کے مزدوروں کی شکل میں مختلف قسم کی خدمات فراہم انجام دیتے تھے۔ وہ شہر کے مختلف علاقوں میں کچی جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔

ماضی کے آئینے میں بھاگلپور شہر :

بہار کے بھاگلپور شہر کا وجود گنگاندی کے جنوبی کنارے پر تقریباً تین ہزار سال سے قائم ہے۔ اس کی پہچان ہمیشہ سے ایک تجارتی اور ثقافتی مرکز کی حیثیت سے رہی ہے۔ قدیم زمانے میں شہر کا وجود ایک چھوٹے شہر کی شکل میں تھا۔ جواگ دیش کی راجدھانی چپا سے ملحق تھا لیکن وقت کا تقاضا دیکھتے اب چپاہی ایک چھوٹا شہر بن کر چپانگر ہو گیا اور بھاگلپور شہر کا خاص مرکز بن چکا ہے۔

بارہویں صدی سے اٹھارہویں صدی کے وسط تک اس شہر پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ اس دور میں بھاگلپور شہر صوفی تہذیب کا ایک اہم مرکز ہوا کرتا تھا۔ یہاں درجنوں مسجد، درگاہ، مزار خانقاہ، عید گاہ اور امام باڑے تھے۔ جدید بھاگلپور شہر میں

گھومنے پر ان مراکز کی باقیات آج بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔

مسجد : مسلمان قوم کی عبادت کا مقام

مزار : کسی عظیم شخصیت یا صوفی کی قبر یا دفن کرنے کا مقام

مقبرہ : قبر یا مزار پر بنائی گئی عمارت

خانقاہ : صوفی سنتوں کا مذہبی مرکز

عید گاہ : مسلمانوں کی عید کی نماز پڑھنے کے لئے خاص مقام جو عام طور سے کھلے میدان کی شکل میں ہوتا ہے۔

امام باڑہ : شیعہ مسلم فرقہ کا مذہبی مقام جہاں محرم میں ماتمی مجلس منعقد ہوتی ہے۔

گئے محلوں اور درجنوں بازاروں سے گھرا بھاگلپور ایک اہم ثقافتی اور تجارتی شہری مرکز تھا۔ شاعری اور رقص و موسیقی عام طور پر تفریح کے ذرائع تھے۔ اس شہر میں عیش و آرام صرف کچھ امیر لوگوں کے حصہ میں آتے تھے۔ امیر اور غریب کے درمیان دوری بہت زیادہ تھی۔

مغل شہنشاہ جہانگیر اور فرخ سیر کے عہد حکومت میں تعمیر شدہ بھاگلپور ریلوے اسٹیشن کے قریب 50 جنوب مغرب تاتار پور میں واقع ہے۔ حضرت محمد صلعم کے مقدس تبرکات محفوظ ہونے کی وجہ سے یہ مسلمانوں کا ایک مقدس مذہبی مقام ہے۔ اس محلے میں ایک مدرسہ تھا جہاں مذہبی تعلیم ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے اس محلے کا نام مولنا چک پڑا۔



شاہ جنگی کا مقبرہ بھاگلپور ریلوے اسٹیشن سے تقریباً دو کلو میٹر جنوب مغرب کی طرف اونچے ٹیلے پر واقع ہے اور نیچے تالاب اور مسجد ہے۔ یہاں ہر سال محرم کا میلہ لگتا ہے۔ تعویذ کا پہلا اسی جگہ کیا جاتا ہے۔



برٹش عہد حکومت میں بھاگلپور :

ہم برٹش عہد کے شہروں کے بارے میں گذشتہ اسباق میں مطالعہ کر چکے ہیں۔ بھاگلپور شہر کے حالات دوسرے برٹش شہروں سے کافی الگ تھے۔ یہ شہر روایتی ہندوستانی شہروں جیسا تھا۔ یہ شہر تین قصبوں چپانگر، بھاگلپور اور براری کو ملا کر فروغ پایا تھا۔ جب بھاگلپور میونسپل بورڈ قائم ہوا تو پہلے دو قصبے چپانگر اور بھاگلپور اس میں شامل کئے گئے۔ بعد میں براری بھی شامل ہوا اور آج تینوں قصبے بھاگلپور میونسپل بورڈ کے تحت ہیں۔ شہر کے بیچ سے گزرنے والی ٹیڑھی میڑھی تنگ گلیوں میں الگ الگ ذات، مذہب، زبان اور پیشے کے لوگوں کے محلے تھے۔ الگ الگ وقت میں مختلف قسم کے معاشی کام کرنے والے کئی فرقے بھاگلپور شہر میں آئے اور یہیں بس گئے۔

انیسویں صدی میں جدید تعلیم کے توسیع، زمین کی مالکداری کا نظام اور تاجروں کے نئے مواقع کا نتیجہ یہ ہوا کہ بھاگلپور شہر میں بنگلہ زبان بولنے والے اور مارواڑی فرقہ کی آمد ہوئی شہر کی آبادی بڑھ گئی، روزگار بدل گئے اور شہر کی ثقافت بالکل مختلف ہو گئی۔ خوراک، لباس، فن اور ادب کے ہر حلقہ میں خاص طور سے اردو فارسی پر مبنی شہری ثقافت نئی دلچسپیوں کے نیچے دب گئی۔

تعلیم کے میدان میں انگریزوں کی کوششوں کا فائدہ سب سے پہلے یہاں کے بنگالیوں نے اٹھایا۔ دیکھتے دیکھتے ایک وقت ایسا بھی آیا جب شہر میں بنگال سے آئے ڈاکٹر، وکیل، انجینئر، پروفیسر، کلرک، معلم، مصنف زیادہ تر بنگالی ہی ہوا کرتے تھے۔ بھاگلپور شہر کا بوڈنا تھ، منصور گنج، آدم پور اور خنجر پور کا علاقہ خاص طور سے بنگلہ زبان بولنے والوں سے بھرا تھا۔ یہ بنگالی باشندے شہر میں اپنی ثقافت اور ادب کی چھاپ لے کر آئے اور بنگالی ماحول کی تعمیر کی۔

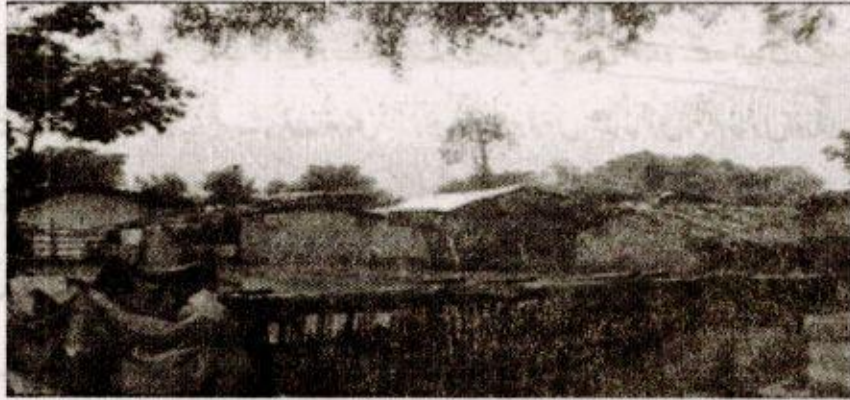
انیسویں صدی کے وسط میں تجارتی فائدے کے مقصد سے مارواڑی، اگر وال جیسواں اور بنیا وغیرہ ذاتیں ایک طاقت ور تجارتی گروہ کی شکل میں بھاگلپور شہر میں قائم ہوئے۔ یہ تاجراہنٹ، بینکر اور مہاجن ہوتے تھے اور شہر کی تجارت پر ان کا قبضہ تھا۔ مارواڑی ٹولہ، خلیفہ باغ، شجاع گنج میں مارواڑی نیا بازار میں اگر وال اور منصور گنج محلے میں جیسواں لوگ بستے تھے۔

برہمن اور کاستھ مقامی دیہاتی ذاتیں تھیں۔ جو انگریزی تعلیم کا فائدہ اٹھا کر سرکاری عہدوں پر قابض ہوئے یہ لوگ شہر کے موڈی چک اور خنجر پور علاقے میں بس گئے۔ کچھ برہمن اور کاستھوں کا تعلق زمیندار خاندان سے بھی تھا۔

شہر کا جنوب مغربی علاقہ تاتار پور، کبیر پور، مولنا چک، شاہ جنگی، حبیب پور، حسینہ باد وغیرہ محلے میں مسلم تاجر کارگیر، بنکر اور مزدور رہتے تھے۔ کئی مسلم خاندانوں کا تعلق مسلم صوفی سنتوں کے ساتھ تھا۔ جو نسل در نسل سالون سے اس شہر میں رہتے آ رہے تھے۔

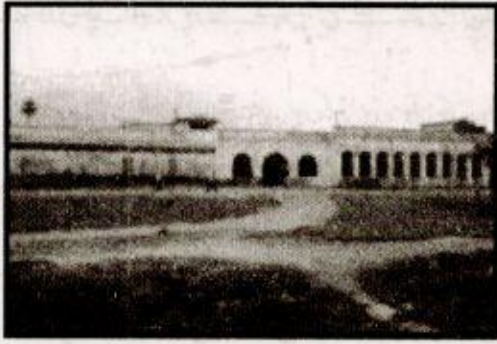
بھاگلپور شہر کے ناتھ نگر اور چمپانگر محلے میں روایتی تجارت میں خصوصیت حاصل کر کے مسلم جولاہے اور ہندو ذاتی ذات کے بنکر رہتے تھے۔ یہ رہنشی کپڑے اور دھاگے تیار کرنے کا کام کرتے تھے۔

1862ء میں ریلوے کی شروعات اور تعلیمی اداروں کے قیام نے شہر کی کایا پلٹ کر دی۔ کثیر تعداد میں لوگ روزگار، تجارت، تعلیم اور دیگر سہولیات کی امید میں شہر کی طرف آ رہے تھے۔ جیسے جیسے بھاگلپور کی آبادی بڑھنے لگی۔ براری میں نئے لوگوں نے بسنا شروع کر دیا۔ روزگار کی تلاش میں دیہاتی علاقوں سے آئے محنت کش غریب اور مزدوروں کا ایک نیا طبقہ ابھرا جو براری قصبے میں گنگاندی کے کنارے کالی گھاٹ واقع مایا گنج علاقے کی کچی جھونپڑیوں میں رہنے لگے۔



تصویر - 6 : مایا گنج علاقے میں غریبوں کی جھونپڑی

مہاشیہ ڈیوڑھی



تصویر - 7 : مہاشیہ ڈیوڑھی

اس عظیم عمارت کی تعمیر اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخری سالوں میں بھاگلپور شہر کے مقامی زمیندار مہاشیہ خاندان کے پریش ناتھ گھوش نے گنگاندی کے کنارے جو کہ نعمت پور (چپانگر) میں اپنی رہائش گاہ کے لئے کروایا تھا مہاشیہ نسل کے خاندان کے ممبر مغل عہد سے بھاگلپور پر گنہ نام کے انتظامی شاخ میں قانون گو کے

عہدے پر کام کرتے آرہے تھے۔ جب 1765ء میں انگریزوں نے مغل بادشاہ سے دیوانی کا اختیار حاصل کیا تب اس خاندان کے لوگ بھاگلپور پر گنہ میں دیوان کے عہدہ پر بحال ہوئے۔ بعد میں بھاگلپور کے ضلع کلکٹر مسٹر چیرمین نے پریش ناتھ گھوش کو شجاع نگر پنڈہ کی زمینداری کی سند عطا کی۔

برٹش حکومت کی زمین کے محصول کی پالیسی کے نتیجہ میں بھاگلپور شہر میں کئی زمیندار خاندان کی آمد ہوئی۔ دراصل ان کی زمینداری کا حلقہ دیہاتی علاقوں میں ہوا کرتا تھا۔ لیکن یہ لوگ شہر کے مختلف علاقوں میں رہتے تھے۔ مہاشیہ خاندان ہیلی براری اور اڑواری جیسے بڑے زمینداروں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے زمیندار بھی شہر میں موجود تھے۔ ان کی زمینداری کا علاقہ بھاگلپور، مونگیر، بانکا، نوگھیا اور پورنیہ وغیرہ میں تھا۔ شہر میں مندروں، تعلیمی اداروں، شفا خانوں، یتیم خانوں اور فلاح و بہبود کے کاموں کو تحفظ عطا کرنے سے ان لوگوں کی وہاں کے سماج میں ایک طاقتور پوزیشن قائم ہو چکی تھی۔

اس طرح کئی قصبوں کو ملا کر بھاگلپور شہر دور تک پھیلی کم گھنی آبادی والا شہر بن گیا اور بھاگلپور کے ارد گرد قصبے اس کے نئے نیم شہری علاقے بن گئے۔

بھاگلپور برٹش طرز کے شہر سے مختلف ایک روایتی شہر تھا۔ کیسے؟

کاروبار، تجارت اور صنعت :

ہم نے اوپر دیکھا کہ اس عہد میں باہر سے آئے تجارتی گروہ کے لوگوں نے بھاگلپور شہر کو اپنا تجارتی ٹھکانہ بنایا۔ ریلوے اور گنگاندی کے کنارے بسے ہونے کی وجہ سے شہر کی تجارتی سرگرمیوں میں اور بھی تیزی آئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بھاگلپور ایک اہم تجارتی شہر کی شکل میں ترقی کرنے لگا۔

بھاگلپور شہر میں اسٹیشن چوک سے خلیفہ باغ تک کا علاقہ راجستھان سے آئے مارواڑی فرقہ کا رہائشی علاقہ تھا۔ راجستھانی روایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مارواڑیوں نے اپنے گھروں کے باہر دکان کھول کر تجارتی سرگرمیوں کو شروع کیا۔ مارواڑیوں کے ساتھ دیگر دوسری ذاتیں اور فرقے جیسے درزی، موچی، نیل گر، رگمیز اور بساطی مسلمان بھی آئے۔

راجستھانی موچیوں کی دکان ہڑیاپٹی (شجاع گنج سے شمال جانب) میں تھی۔ یہ موچی چمڑے کے اوپر کشیدے کا کام بھی کرتے تھے۔ ان کے گھر اور دکان ایک ہی جگہ تھے۔ اسی ہڑیاپٹی میں مٹی کے برتنوں کی دکانیں بھی تھیں۔ مٹی کے برتن کا کام خاص طور سے مقامی کمہار ہی کرتے تھے۔ ہڑیاپٹی سے پورب طرف نیل گر اور انگریزوں نے شہر کے کوتوالی کے پاس اپنا بسیرا ڈال رکھا تھا۔ یہ لوگ کپڑا رنگنے کا کام کیا کرتے تھے۔ یہیں بساطیوں کے بھی گھر تھے۔ یہ بساطی کپڑوں پر گونا گونا رنگ دینا اور نیل بوٹے کا کام کرتے تھے۔ عورتیں بندھیج کی چمڑی اور رنگنے کا کام کرتی تھیں۔ مہیری ٹولی، مسجد گلی اور تاتار پور میں بے مینار لاٹ لاء کی چوڑی بناتے تھے۔ کچوری گلی میں حلوائیوں کی دکانیں تھیں۔ سونا پٹی (شجاع گنج سے مغرب جانب) سوناروں کا محلہ تھا۔ اس تجارت سے متعلق لوگ مقامی سونار اور راجستھان سے آئے مارواڑی بھی تھے۔ گنگاندی کے کنارے واقع محلے، گولا گھاٹ، سرائے، منصور گنج (ریلوے اسٹیشن سے شمال جانب) اور میر جان ہاٹ (اسٹیشن سے جنوب جانب) میں غلہ کے بڑے بڑے گودام تھے۔ جہاں غلے کا تھوک اور کھدرا تجارت ہوتا تھا۔ میر جان ہاٹ سے سٹے گور ہٹا میں گور کا کاروبار ہوتا تھا۔ بھاگلپور شہر کے بڑے تاجروں میں سب سے پہلے میسرس بھوورمل چندری پر ساد کا نام سامنے آتا ہے۔ یہ راجستھان

سے بھاگلپور آئے تھے۔ اور اس خاندان کو بھاگلپور میں بسے ہوئے دوصدیوں سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ یہ فرم بینکنگ، سونا، چاندی، غلہ، تر اور ریشم کی تجارت کرتا تھا۔ اس کے علاوہ میسرس بوہت رام رام چندر، میسرس شو بھا رام جورتی رام، میسرس جے رام داس، ہنومان داس، میسرس جاکلی داس بیجنا تھ، اور میسرس جیون رام رام چندر وغیرہ فرم بھاگلپور میں تھے۔ ان فرموں میں بینکنگ کمپنیوں کے بکری ایجنٹ ہڈی کے کام کے علاوہ سلک سوئی اوئی کپڑے کرانہ اور غلہ اور تیل کا تھوک تجارت ہوتا تھا۔

بھاگلپور شہر کا سب سے مشہور صنعت تر سلک کا کپڑا تیار کرتا تھا۔ یہ تجارت بہت پرانے زمانے سے چلا آ رہا ہے اس



تصویر - 8 : پاور لوم پر کام کرتا ہوا ایک بکر

لئے اس شہر کو سلک سٹی بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں 1810ء میں تقریباً 3275 کرگھے چل رہے تھے۔ اس تجارت کا خاص مرکز چمپانگر اور ناتھ نگر محلہ تھا۔ تر کا کو با بکٹوڑہ، سنہال پرگنہ اور گیا سے آتا تھا۔ جگدیش پور اور پورینی کے گاؤں میں دھاگا تیار کرنے کا کام ہوتا تھا۔ پھر دھاگہ ناتھ نگر اور چمپانر کے بکروں کے گھر پہنچتا تھا۔ جہاں ہتھ کرگھے پر ریشم کے کپڑے تیار ہوتے تھے۔

پٹوا، مومن، جولاہا (سبھی مسلمان) تاننی (ہندو) ذاتیں خاص طور سے اس پیشے میں مصروف ہیں۔ ریشم اور سوت کی ملاوٹ سے بافتا تیار کیا جاتا تھا۔ یہاں کا تیار کپڑا یورپی ممالک میں بھیجا جاتا تھا۔ جہاں اس کی بہت مانگ تھی۔

باقتا : باقتا ایک ہی رنگ کا ریشمی کپڑے کا ٹکڑا ہوتا ہے جسے بننے کے بعد رنگا جاتا ہے۔ اس کا ٹکڑا 20-22 ہاتھ لمبا اور

1-15 ہاتھ چوڑا ہوتا ہے۔

بھاگلپور ایک تجارتی شہر تھا۔ کیا آپ اس سے متفق ہیں؟

حکومت کا نظام

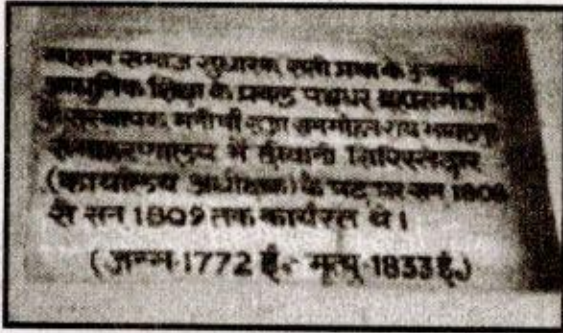
جب ہندوستان میں انگریزی حکومت مضبوط ہونے لگی تو انگریزوں نے اپنی حکومت کو مزید مضبوط بنانے کے لئے ملک میں ایک نئی حکومتی نظام کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت حکومتی شاخوں کے دفاتر شہروں میں واقع ہوتے تھے۔ آئیے ہم بھاگلپور کے حکومتی انتظام کے ذریعہ سے انگریزوں کے ذریعہ ایک ضلع میں قائم حکومتی نظام کے بارے میں جانیں۔

1774ء میں بھاگلپور کو ضلع بنایا گیا ضلع کا سب سے بڑا افسر کلکٹر کہلاتا تھا۔ بھاگلپور ضلع کا پتلا کلکٹر کیونلینڈ تھا۔ کلکٹر کی



تصویر - 9 : بھاگلپور کلکٹر

مدد کے لئے ضلع کے دفتر میں ڈپٹی کلکٹر، سب ڈپٹی کلکٹر اور اسسٹنٹ کلکٹر ہوتے تھے۔ 1936 تک یہ ضلع چار سب ڈویژنوں (بھاگلپور، بانکا، مدھے پور، سپول) میں منقسم تھا۔ سب ڈویژن کا سب سے بڑا افسر (ایس ڈی او) کہلاتا تھا۔



تصویر - 10

ضلع میں عدلیہ کا سب سے بڑا افسر ڈسٹرکٹ اور سیشن جج (ضلع اور سیشن جج) کہلاتا تھا۔ دیوانی مقدموں میں ان کی مدد کے لئے سب آرڈی نٹ جج اور منصف ہوتے تھے۔ فوجداری مقدموں میں ضلع مجسٹریٹ اور ڈپٹی اور سب ڈپٹی مجسٹریٹ ان کی مدد کرتے تھے۔

ضلع کے پولس شعبہ کا سب سے بڑا افسر سپرنٹنڈنٹ آف پولس (ایس پی) کہلاتا تھا اس کے نیچے اسٹنٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ رہتے تھے۔ پولس کے کام کے لئے ضلع کو پچیس حصوں میں بانٹا گیا تھا یہ حصے تھانہ کہلاتے تھے۔ آزادی کے وقت تک بھاگلپور شہر کے اندر تین تھانے تھے۔ بھاگلپور شہر، بھاگلپور مفصل اور نگر تھانہ۔ تھانے کا بڑا افسر انسپکٹر یا سب انسپکٹر ہوتا تھا جسے داروغہ کہا جاتا تھا۔

بھاگلپور میونسپل کارپوریشن :



تصویر - 11 : بھاگلپور میونسپل کارپوریشن

دس مربع میل علاقہ میں پھیلے ہوئے بھاگلپور شہر کے میونسپل بورڈ کا قیام 1864ء میں ہوا تھا۔ عوام الناس کے ذریعہ منتخب اور سرکار کے ذریعہ نامزد نمائندوں کے ذریعہ اس کا انتظام ہوا تھا۔ میونسپل بورڈ میں بائیس ارکان ہوتے تھے جس میں سات ممبر نامزد سس اور چودہ منتخب ہوتے تھے۔ اپنے حلقہ

اثر میں شہر کی صفائی سڑک، پل، پینے کا پانی، تعلیم، صحت کی جواب دہی میونسپل بورڈ کے ذمہ تھا۔ شہر میں پینے کے پانی کی کمی کو دور کرنے کے لئے بھاگلپور میونسپل بورڈ کے ذریعہ 1887ء میں ایک ٹنکی کی تعمیر کی گئی۔ 1896-97ء میں اس کی توسیع چمپانگر اور ناتھ نگر کی طرف کی گئی۔ ٹنکی (حوض) کو بڑا بنانے کے لئے سرکار نے میونسپل بورڈ کو تین لاکھ روپے قرض دیئے تھے۔ 1936-37ء میں میونسپل بورڈ کی کل سالانہ آمدنی 4-5 لاکھ روپے تھی۔ بھاگلپور میونسپل بورڈ حلقہ کے تحت شہر کی کل آبادی 1872ء میں 65377 تھی جو 1931ء میں 83847 ہو گئی۔

تعلیمی وراثت :

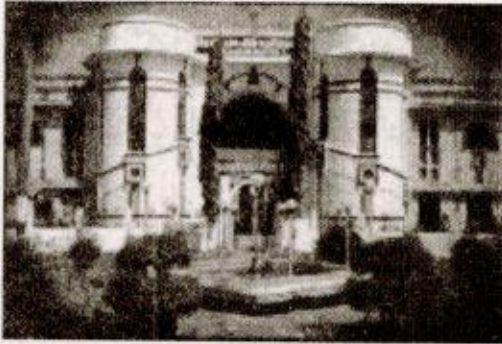
بھاگلپور تعلیم کا اہم ترین مرکز تھا۔ مختلف عہد سے گزرتے ہوئے بھاگلپور نے اپنی تعلیمی شناخت کو قائم رکھا ہے۔ قدیم زمانے میں انتی چک و کرم شیلایونی ورثی تھا۔ تو عہد وسطیٰ میں مولنا چک کا خانقاہ شہبازیہ ہوا کرتا تھا۔ برٹش عہد میں ابتدائی



تصویر - 12 : سی ایم ایس ہائی اسکول

تعلیم، ہائر سکندری تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کے تبلیغ و توسیع میں یہاں کے زمیندار بنگالی، مارواڑی، عیسائی فرقے کا اہم رول رہا ہے۔ اس کے ذریعہ قائم کردہ تعلیمی ادارے آج بھی یہاں بھی یہاں تعلیمی وراثت کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ سرکاری سطح 1832ء میں ضلع اسکول شروع کیا گیا۔ مارواڑی کنیا پاٹھ شالہ۔ بال سمودھنی اسکول مارواڑیوں کی دین تھی۔ چرچ

مشنری سوسائٹی (CMS) کے ذریعہ آدم پور میں ابتدائی اور ہائی اسکول 1854ء اور چمپانگر میں اقلیتی مڈل اسکول کو چلایا جاتا تھا۔ مانک سرکار واقع درگا چرن پرائمری اسکول 1860ء اور ہائی اسکول 1937ء بنگالی فرقہ کے خدمات کی داستان بنا رہے ہیں۔ اسی درگا چرن ابتدائی اسکول میں مشہور ناول نگار شرت چندر چنوپا دھیائے نے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ شہر کے مقامی زمیندار تیج نرائن سنگھ نے 1883ء میں تیج نارائن جلی کالج کی بنیاد رکھی اور 1887ء میں تیج نرائن جلی کالج قائم کیا۔ دونوں ہی

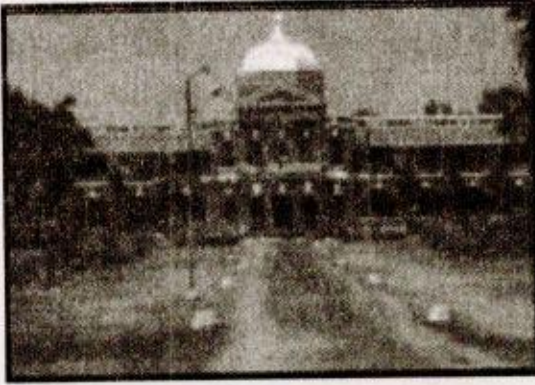


تصویر - 13 : ٹی این بی کالج

ادارے نیا بازار محلے میں چلا کرتے تھے۔ بعد میں ہیلی اسٹیٹ کے ذریعہ بخشش کی شکل میں زمین اور روپیہ دیئے جانے کے بعد ان اداروں کے نام کے ساتھ ہیلی لفظ جڑ گیا آج بھی شہر میں تعلیم کے میدان میں اس کی ایک پہچان ہے۔ کامرس کی تعلیم کی مانگ کو دیکھتے ہوئے شہر کے مارواڑی فرقہ کے ذریعہ 1941ء میں مارواڑی کالج قائم کیا گیا۔

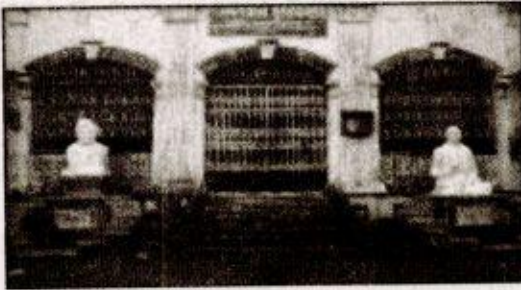
بھاگلپور میں خواتین کی تعلیم کی طرف بھی اہم ترین قدم اٹھائے گئے۔ شری اروند گھوش کے والد شری کرشنا گھوش نے 1868ء میں موکھدار بایکا اسکول قائم کیا۔ 1868ء میں ہی زنانہ مشن اسکول بھی کھولا گیا۔ خواتین کے اعلیٰ تعلیم کے لئے

موکھنچندار بالیکا اسکول کے احاطے میں 5 اگست 1949ء کو مہیلا مہاودیا لیب کی بنیاد ڈالی گئی۔ بعد میں زمیندار نریش موہن ٹھاکر نے خنجر پور محلے میں عطیہ کی شکل میں کالج کے لئے زمین فراہم کرائی۔ اس لئے ان کی ماں کے نام پر اس کالج کا نام سندرونی مہیلا مہاودیا لیب ہوا۔



تصویر۔ 14: بہار کشی کالج سیور، بھاگلپور

تکنیکی تعلیم کے میدان میں 1910ء میں سیور میں واقع بہار زراعتی کالج کی بنیاد اس وقت کے گورنر سرائنڈر یوفریزر نے رکھی تھی۔ اس کالج کی کنتی ایشیا کے اہم کالجوں میں ہوا کرتی تھی۔ اس سے زراعتی تعلیم کے میدان میں نئے پہلو قائم ہوئے روزگار سے متعلق تعلیم کے لئے 1947-51ء میں ناتھ نگر میں سلک انسٹیٹیوٹ شروع کیا گیا تھا۔



تصویر۔ 15 : بھگوان لاہیری

بھگوان لاہیری بھاگلپور اسٹیشن سے تقریباً ایک کلومیٹر شمال گوشالہ کے نزدیک نیا بازار میں واقع ایک مشہور لاہیری ہے۔ یہاں ادب و سائنس کی کتابیں اور خطوط وغیرہ دستیاب ہیں۔

یہاں تعلیم کی توسیع میں کتب خانوں کا اہم کردار تھا۔ سیور میں واقع بہار زراعتی کالج، تیج نرائن ہنلی کالج، بھاگلپور کلکٹریٹر (ساہرنالہ) بھگوان کتب خانہ، سرسوتی کتب خانہ اور بنگلہ انسٹیٹیوٹ میں کتابوں کا اچھا ذخیرہ تھا۔

ثقافتی سرگرمیاں :

آزادی سے قبل بھاگلپور کی ثقافتی وراثت بھی کم اہم نہیں رہی ہے۔ اس پس منظر میں بھاگلپور کی ادبی و ثقافتی سفر کا بیان اپنے آپ میں بہت دلچسپ ہے اگر ہم بھاگلپور کی ثقافتی سرگرمیوں کی بات کریں تو شہر میں کئی مشہور و معروف ادباء، فنکار،

دستکار، موسیقی کا رنغمہ نگار اور فوٹو گرافروں کی جماعت ملتی ہے۔

اس وقت بھاگلپور کے ادب پر بنگلہ ادب کا بہت زیادہ اثر تھا۔ شرت چندر چٹرجی دسمکھوتی بھوشن اپادھیائے اور رابندر ناتھ ٹیگور جیسے لوگ بھاگلپور کا سفر کر چکے تھے۔ لیکن اس وقت جس ادیب نے یہاں طویل مدت تک رہ کر اپنی تخلیق جاری رکھی وہ تھے بلانی چند کھر جی، انہیں لوگ بن پھول کے نام سے جانتے ہیں۔ بھاگلپور کے ادیب اور رنگ کرئی رادھا کرشن سہائے نے ان کی تخلیقات کا بنگلہ سے ہندی میں ترجمہ کیا۔ شرت چندر نے عہد ساز ناول دیوداس دسمکھوتی بھوشن بندو پادھیائے نے پتھر پانچالی کی تخلیق بھاگلپور میں ہی رہ کر کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رابندر ناتھ ٹیگور نے اپنی مشہور تخلیق گیتا نجلی کے کچھ حصوں کو بھاگلپور میں ہی لکھا تھا جس کو ادب کا نوبل انعام ملا تھا۔

اس عہد میں بھاگلپور میں ہندی ادب بھی تخلیق کی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر رادھا کرشن نے بھاگلپور میں ساہتیہ گوشٹی نام کا ادارہ بنایا۔ جلد ہی یہ ادارہ اس وقت بھاگلپور شہر کے ادبی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ ہندی کے جن اہم تخلیق کاروں نے بھاگلپور کے فخر میں اضافہ کیا ہے۔ ان میں ڈاکٹر شیونندن پرشاد (طہر) ڈاکٹر شیونکر ورمبا (افسانہ نگار) اور جناردن پرشاد جھادیپ وغیرہ اہم ہیں۔

بھاگلپور کا نائک کی تاریخ کوئی زیادہ پرانی نہیں ہے۔ بھاگلپور کی ادبی وراثت کو خوش حال کرنے میں شرت چندر نے خود کئی ڈرامے لکھے تھے۔ اور انہیں اسٹیج بھی (نمائش) کیا گیا تھا۔ وہ ڈرامے بھی جدید طرز و اسٹیج کے نہیں تھے۔ یہاں صرف تھیٹر یا ڈرامہ کی روایات کے تحت بنگالی سماج اہم رول نبھاتا تھا۔ اردھیدر بابو کے نام ایک شخص نے ہر سال کو لکاتہ سے بھاگلپور آ کر جاترا نام کے ڈرامے کی نمائش کرتے تھے۔ اسی سلسلے میں ایک بار پر تھوی تھیٹر بھی بھاگلپور آیا تھا اور اس نے کئی نائک اسٹیج کئے تھے۔ ویسے شہر کی روایت کا پہلا ڈرامہ ہری کنج کی تخلیق بابری میرا تھی جسے ہر کنج نے خود اہیت کیا تھا۔ لیکن رنگ منچ کے آندولن کے کمرے میں جس نے بھاگلپور کے ناظرین کی توجہ اپنی طرف کھینچا تھا وہ ادارہ تھی۔ ابھینے بھاوتی۔

ہری کنج۔ بھاگلپور شہر کے ثقافتی رکن

1838ء میں ہری کنج نے بھاگلپور شہر میں ثقافتی سرگرمیوں میں اضافہ کرنے کے لئے چرن سنسٹھاؤں کی بنیاد ڈالنے میں خصوصی کردار ادا کیا۔ یہ ادارے میں ہندی یا تراپارٹی شرگورنگ، سکرتن کیمتی، باگیشوری سنگیتاٹن اور چتر شالا۔ چتر شالا میں اس وقت کے مشہور ادیبوں، رنگ کر میوں دستکاروں، رقص کاروں، موسیقی نگاروں، فوٹو گرافروں کا مجمع لگتا تھا۔ اس مجمع میں افسانہ نگار بھنیشور ناتھ رینو، قومی شاعر گوپال سنگھ نیپالی، قومی شاعر رام دھاری سنگھ دکر، ادیب ڈاکٹر چچن، مختصر افسانہ نویس، بن پھول، بھارت رتن، لسم اللہ خان رقاصہ ستارا دیوی، فلم ہیرا شوک کمار جیسی ہستیاں شامل ہوتی تھیں۔

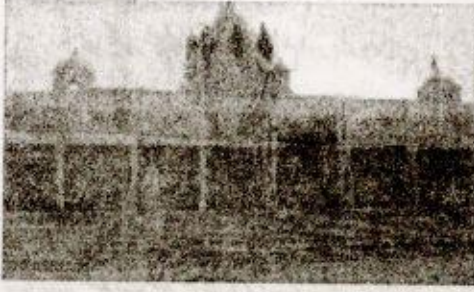
مذہبی مقام



تصویر - 16 : بوڑھا ناتھ مہادیو مندر

بھاگلپور شہر میں گزگاندی کے جنوبی کنارے پر بوڑھا ناتھ محلہ میں بابا بوڑھا ناتھ مہادیو مندر ہندوؤں کی مشہور عبادت گاہ ہے۔ (تصویر پر نظر ڈالئے)۔ اس مندر کی تعمیر شکر پور کے زمیندار پجھی نرائن سنگھ نے کروایا تھا۔ بابو موہن شاہ اور بابو رام کرشن بھگت نے مندر احاطے میں دودھرم شالائیں بنوائیں تھیں جہاں مسافروں کو ٹھہرنے کا اچھا انتظام تھا یہاں چیت اور آسن نوراتر میں خصوصی تقریب ہوتی ہے۔ جس میں ہندو عقیدت مند بڑی تعداد میں حصہ لیتے تھے۔

جین مذہب کے بارہویں تیرتھکار باسو پوجیہ کی جائے پیدائش ہونے کی وجہ سے بھاگلپور شہر جینیوں کی مقدس زمین مانی جاتی تھی۔ شہر کے ناتھ نگر محلہ میں دیگمبر جین مندر اور چپانگر میں شوہنما مہر جین مندر جینیوں کی عبادت گاہیں ہیں۔ مراہو حکومت



تصویر۔ 17 : ناتھ گھر واقع دکن میں مندر



تصویر۔ 18 : گھنٹہ گھر کے پاس واقع گرجا گھر

کے زمین دار دھپت سنگھ نے تیرتھ یا تریوں کے ٹھہرنے کی سہولت کا خیال رکھتے ہوئے شوکتا مہر دھرم شالا کی تعمیر کر کے بڑی رواداری کا ثبوت دیا تھا۔ مارواڑی محلہ میں جینیوں کے کئی مندر ہیں۔

سکھ فرقہ کا عبادت خانہ نیا بازار اور خلیفہ باغ محلہ میں واقع ہے۔ عیسائیوں نے 1845 میں گھنٹہ گھر کے قریب اور 1854 میں کرن گڑھ میں گرجا گھر کی تعمیر کی تھی۔

عوامی عمارت :

اگر آپ بھاگلپور کی عمارتوں پر ایک نظر ڈالیں تو انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ انیسویں صدی سے پہلے تعمیر شدہ قلعے، محل، مندر، مسجد، مقبرے اور انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں تعمیر شدہ سرکاری دفاتر، ٹاؤن ہال، عوامی ہاسٹل، ریلوے اسٹیشن گھنٹہ گھر، چرچ کلب، اسکول کالج وغیرہ۔ یہ بھسوں لوگوں کی دلچسپی کے ساتھ ساتھ حکمرانوں اور مقامی زمینداروں کی پسند اور خواہشات کا اظہار کرتے ہیں۔ ان عظیم الشان عمارتوں کی تعمیر پہلی بار استعمال میں لائے گئے لوہے اور سنٹ کی وجہ سے ممکن ہو پایا۔ پہلے کی عمارتیں بالکل سادی ہوتی تھیں۔ بعد میں انگریزوں نے ہندو اور اسلامک طرز کے تعمیر کی تکنیک کے مجموعہ سے کچھ خوبصورت عمارتیں تعمیر کیں۔ انہوں نے کچھ قدیم عمارتوں کے نقل کرنے پر بھی غور کیا۔ اگر آپ ایسی کچھ قدیم عمارتوں کو دھیان سے دیکھیں تو ان میں یورپی اور ہندوستانی طرز تعمیر کا بڑا ہی دلچسپ تال میل نظر آئے گا۔ تعمیر عمارت، فن کے کچھ دلچسپ طرزوں کا مطالعہ باب گیارہ میں کریں گے۔ آئیے ہم بھاگلپور شہر کی سیر کرتے ہوئے عمارتوں کا جائزہ لیں۔

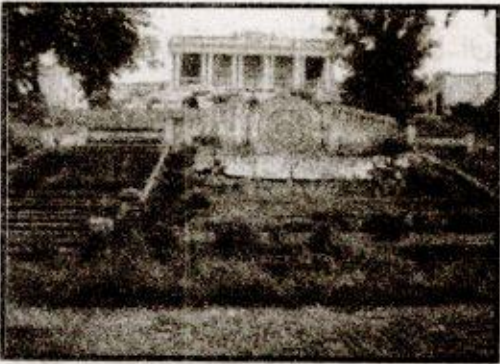
بھاگلپور شہر کا مرکزی مقام اور ہندوستان کے قدیم ریلوے اسٹیشن مین سے ایک ہے جس کی وجہ سے بھاگلپور شہر تک خاص تجارتی مقام ہے۔ یہاں ای آئی آر (ایسٹ انڈین ریلوے) اور BNWR بنگال ناتھ ویسٹرن ریلوے کے اسٹیشن ہیں۔ اس کی شروعات 1862ء میں ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سے عام لوگوں کی زندگی میں بڑی تبدیلیاں آئیں۔ تاجر اپنے کاروبار کے لئے عقیدت مند تیرتھ یا ترا کے لئے افسران اپنے کام کے لئے اور دیگر لوگ روزگار کی تلاش میں سفر کرتے تھے آمد و رفت کے اس نئے ذریعہ کا فائدہ اٹھا رہے تھے۔



تصویر - 19 : بھاگلپور ریلوے اسٹیشن

بھاگلپور ریلوے اسٹیشن سے تقریباً تین کیلو میٹر شمال میں گنگا ندی کے کنارے واقع کمبو لینڈ ہاؤس کا شمار عظیم اور خوبصورت عمارتوں میں کی جاتی ہے۔ اس کی تعمیر بھاگلپور کے پہلے ضلع کلکٹر کمبو لینڈ کے ذریعہ 83-1780ء کے وسط میں کروائی تھی۔ انالین طرز میں تعمیر طرز میں تعمیر شدہ یہ عمارت

ایک بلند ٹیلے پر بنا ہے۔ پہلے یہاں شہر کے مقامی زمیندار مہاشے خاندان کے پریش ناتھ گھوش کی رہائش گاہ تھی۔ کمبو لینڈ نے مہاشے خاندان کو چوکی نعمت پور میں 84 بیگمہ زمین دے کر اسے اپنے قبضہ میں کر لیا اور اپنا رہائش گاہ بنایا۔ بعد میں یہ عظیم



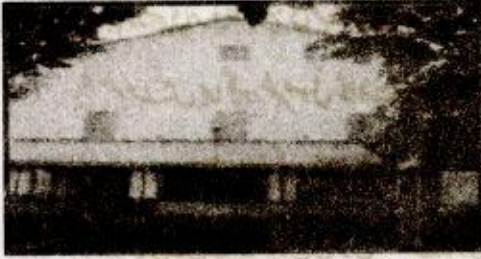
تصویر - 20 : کمبو لینڈ ہاؤس

الشان عمارت ٹیگور خاندان کے ہاتھ میں چلی گئی گرو دیو رابندر ناتھ ٹیگور نے اسے اپنا مطالعہ گاہ بنایا اور گیتا منجلی کے کچھ حصے یہیں لکھے۔ بعد میں انہیں کے نام پر اس عمارت کو رابندر بھون کے نام سے جانا جاتا ہے۔ موجودہ وقت میں رابندر بھون میں تلکا مانجھی یونیورسٹی بھاگلپور کو تاریخ، ثقافت اور آثار قدیمہ کا شعبہ اور علاقائی مطالعہ مرکز اپنے کلاس کرائے ہیں۔



تصویر - 21 : گھنٹہ گھر

انیسویں صدی کی ابتدا میں وقت دیکھنے کا یورپی طریقہ انگریزی حکومت کے ہندوستان میں بھی نافذ کیا گیا۔ اب کام کرنے کا یورپی نظام الاوقات (۱۰ بجے سے شام پانچ بجے تک) ہندوستان میں بھی اپنایا گیا تھا۔ لوگ دیر سے آنے کے کوئی بہانے نہیں بنا سکیں۔ اس کے لئے عوامی مقامات پر گھنٹہ گھر بنائے گئے اس میں چاروں طرف ڈائل ہوتے تھے۔ تاکہ لوگ دور اور کسی بھی جانب سے گھڑی کو دیکھ سکیں۔ یہی نہیں لوگوں کو وقت کی جانکاری دینے کے لئے ان گھنٹہ گھروں سے متعینہ وقت کے بعد گھنٹے کی آواز بھی ہوتی تھی۔ بھاگلپور شہر کا گھنٹہ گھر چوک ایک مثال تھا۔



تصویر - 22 : ٹاؤن ہال

بھاگلپور ریلوے اسٹیشن سے تین کیلومیٹر شمال کی طرف لاجیت پارک کے قریب واقع بیسویں صدی کے شروع میں تعمیر شدہ ٹاؤن ہال کی عمارت ہے یہاں عوامی جلسے منعقد کئے جاتے تھے۔



تصویر - 23 : اسٹیشن کلب، سیمکس کمپاؤنڈ

بھاگلپور پچھری احاطے کے قریب سوامی دوپکاند پتھر پر واقع سلیش کمپاؤنڈ میدان ایک عوامی پارک تھا۔ اس کا نام ہیلی اسٹیٹ کے منیجر ٹیسنیٹس کے نام پر رکھا گیا۔ اس کمپاؤنڈ کے بھیتر انگریز انتظامی افسران نے تفریح اور موج مستی کے لئے اسٹیشن کلب کی تعمیر کی۔ آپ تصویر میں کلب کی بد حالی کو دیکھ سکتے ہیں۔

آپ کسی شہر کے تعلیمی، مذہبی عوامی اور سرکاری عمارت کی ایک فہرست بنائیں اور معلومات حاصل کریں کہ ان کی تعمیر کب ہوئی؟ آپ یہ بھی بتائیں کہ اس کا استعمال کس کام کے لئے کیا جاتا ہے؟

مشق

آئیے پھر سے یاد کریں :

1. صحیح یا غلط بتائیں :

(i) بھاگلپور شہر کی ترقی انگریزی عہد کے شہروں سے مختلف روایتی شہروں کی شکل میں ہوئی۔

(ii) مسلم عہد میں بھاگلپور شہر صوفی ثقافت کا مرکز نہیں تھا۔

(iii) انیسویں صدی میں بھاگلپور میں بنگالی اور مارواڑی فرقہ کی آمد ہوئی۔

(iv) ہندوستان میں جدید شہروں کی ترقی صنعت کاری کے ساتھ ہوئی۔

(v) پریزیڈنسی شہروں میں گورے اور کالے لوگ الگ الگ علاقوں میں رہتے تھے۔

2. درج ذیل کے جوڑے بنائیں۔

(الف) پریزیڈنسی شہر بریلی، جمال پور

(ب) ریلوے شہر بمبئی، کلکتہ، مدراس

(ج) صنعتی شہر کانپور، جشیڈ پور